مٹی کے برتن

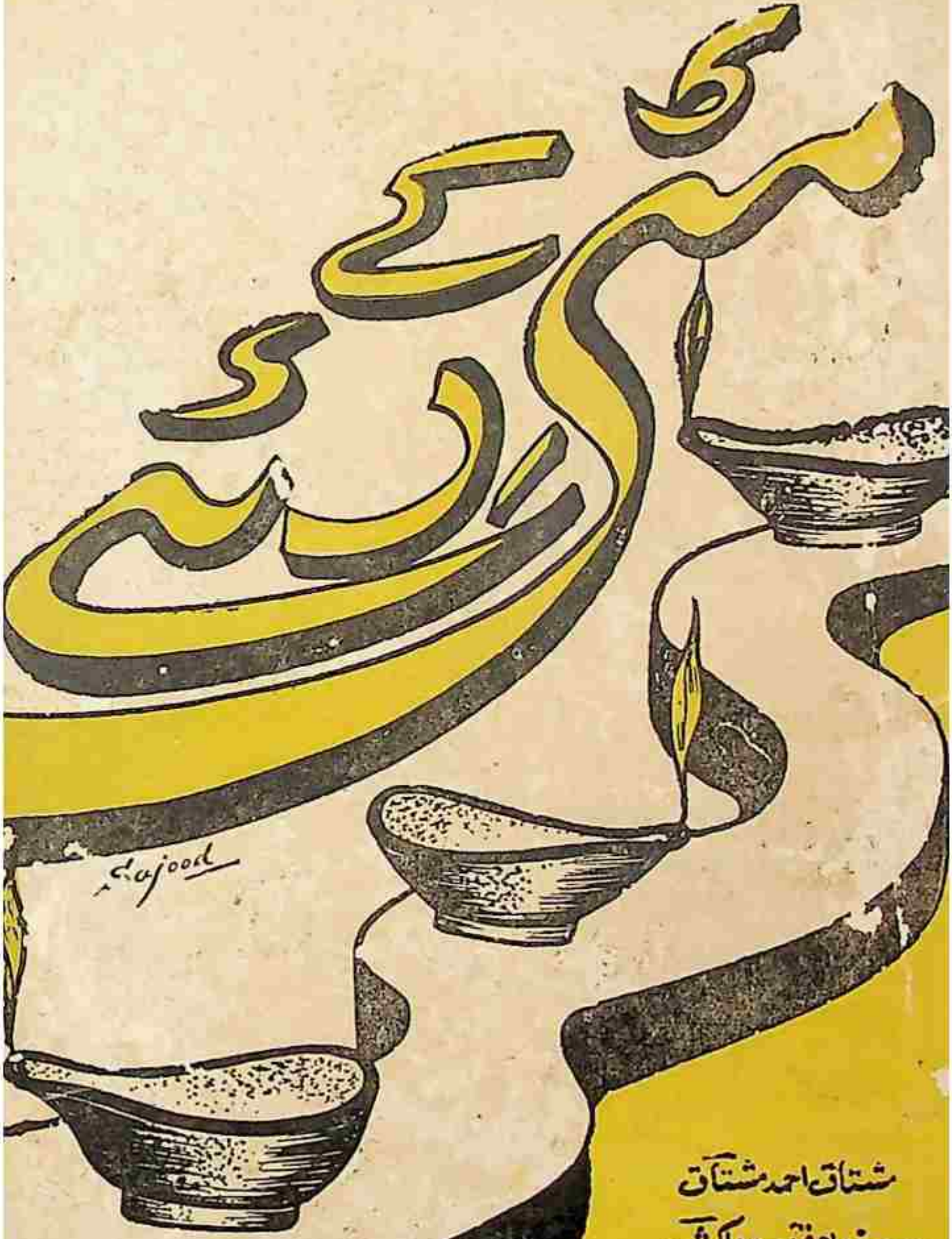

مشتاق احمد مشتاق

سید یعقوب دلکش

غلام بھی شاھد

مٹی کے دیئے

کترِ وِژ آنگن

- مشتاق احمد مشتاق
- سید یعقوب دلکش
- غلام نبی شاہد

اُردو اور کشمیری
افسانوں کا سنگم

جملہ حقوق بحق مصنفین محفوظ ہیں۔

بار اول ——— تعداد ——— ۵۰۰

سال ——— سنہ ۱۹۷۶ء

سرورق ——— سجود سیمانی

کتابت ——— محمد سلیم

طباعت ——— بروکا زپریس

مصنفین ——— مشتاق احمد مشتاق۔ سید یعقوب دلکش۔ غلام نبی شاہد

ان تمام افسانوں کے تمام کردار اور کرداروں کے نام فرضی ہیں اس سے کوئی مطابقت محض اتفاقیہ ہو سکتی ہے جس کے لئے مصنفین پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہو سکتی۔

قیمت =/5 روپے

شفقت شخصیت کے بے حد ممنون ہیں۔ کہ انہوں نے ہر رنگ میں ہماری حوصلہ افزائی کی۔

* مشتاق احمد مشتاق
* سید یعقوب دلکش
* غلام نبی شاہد

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

(اقبالؒ)

انتساب

اُن حساس چوٹوں کے نام جنھوں نے ہمیں قلم
اٹھانے پر مجبور کیا۔

ترتیب

۱	دیباچہ		۸
۲	لحاف	مشتاق صبری	۱۰
۳	تار	یعقوب دلکش	۱۶
۴	خوابیدہ گھونگھٹ	مدام کی شاہد	۲۱
۵	احساس کا گھاؤ	مشتاق صبری	۲۷
۶	گل قند	سید یعقوب دلکش	۳۲
۷	ڈاکیہ	مدام بی شاہد	۴۰
۸	مٹی کا دیا	مشتاق صبری	۴۴
۹	کتبر یو ژونگ	سید یعقوب دلکش	۵۲
۱۰	یو تدیو نا پیاسی	مدام بی شاہد	۵۸
۱۱	ا - م - ح	سید یعقوب دلکش	۶۶
۱۲	نشہ اور ٹھوکر	مشتاق صبری	۷۰
۱۳	بوچھ	مدام بی شاہد	۸۱
۱۴	افسانہ	سید یعقوب دلکش	۸۶
۱۵	پاگل	مشتاق صبری	۹۳

دو دن گھر پر اپنے کمرے میں پڑا سوچتا رہا۔
تیسری صبح ماں نے پوچھا ـــــ "بیٹا تمہیں دفتر نہیں جانا ہے کیا۔؟"
"ماں میں نے نوکری چھوڑ دی ـــــ"
"نوکری چھوڑ دی ـــــ" ماں کی آواز ڈوب گئی۔ "کیوں ـــ پھر اس گھر کا کیا ہوگا۔ تمہارا کیا ہوگا۔ تمہارے چھوٹے بہن بھائیوں کا کیا ہوگا۔"
"ماں ـــــ" شوکت نے دور خلاؤں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا ـــ "تو گھر لعنت ماں ـــ اپنی طرح اپنے بھائیوں کو کلرک بنانے کے لیے موت نہیں مرنے دوں گا ـــ!

عجوبہ

"مٹی کے دئے" نئی نسل کے تین اُبھرتے ہوئے ادیبوں کی مشترکہ کاوشوں کا ثمر ہے۔ جہاں تک میرے مشاہدے کا تعلق ہے میں دُنیائے ادب میں ایسا متحرک کن عجوبہ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ میرے نظریئے کے مطابق افسانوں کا یہ حسین مجموعہ چونکا دینے والا عجوبہ اِسلئے کہلایا کہ یہ بیک وقت دو زبانوں کی نمایندگی کرتا ہے۔ اِس میں اُردو کہانیاں بھی ہیں اور کشمیری زبان میں لکھے گئے افسانے بھی۔ دو زبانوں کا یہ سنگم ہر لحاظ سے ایک نئی ایجاد ہے اور اِس ایجاد کے موجد تین ایسے نوخیز قلم کار ہیں جو گلستانِ ادب کی ایک ہی کیاری کے پھول ہوتے ہوئے بھی الگ تھلگ تصور اور طرزِ تحریر کے مالک ہیں۔ جہاں مُشتاق کے ہاں چھوٹے موضوع اور اسلوب کی صحیح جانکاری نمایاں ہے وہاں شاہد کی دل آویز طرزِ تحریر اور بیان میں بہتے پانی کی روانی بھی صاف عیاں ہے۔ دونوں قلم کار اگرچہ کہانی کے روایتی رنگ پر اکتفا کئے ہوئے ہیں۔ تاہم

کفن

سیّد یعقوب دلکش

یہ کتہ اوسس، یہ کوٗن آس؟
یٹینہ کیاہ سآ ری خوہ فتہ یٹیمتی؟
ہمس دنڈن ہام لجی ہژ، یمس اُچھن زوٗن
ہُتھ لال ٹینیچہ سوہ یتہ کیازہ زُوکھان؟
یہ کُس؟
میآ نس یتھ بسُہ نے ہتس کفنس دُرسہ دِوان۔
مہ لم یتھ بسُہ نے ہتس کفنس
اَتہ کیاہ یہ اتھ
تھوٗ دوہ تھ وارہ وارہ تہ لال ٹینس نڑاوتیل
ہے نڑاو یٹلہ ——
یہ زلہ توٗری یٹینہ ہآ س ——!

ہی کیسے کھڑا ہوتا ۔ کام کرتے کرتے تھک گئی ہو گی بچاری ۔ اُس نے تیسری بار آواز دینے کے ساتھ لحاف کو آہستہ سے کھینچا ۔۔۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُسکے پیروں تلے زمین نکل گئی ۔۔۔ وہاں جلیمہ نہ تھی صرف دو تکیے تھے ۔ !!

کالا سورج

مشتاق احمد مشتاق کا دوسرا ناول

ایک نشتر

○ ایک ایسے شخص کی کہانی ۔۔۔ جسکی زندگی ایک بد صورت حادثے کی نذر ہو گئی ۔ لیکن اسنے بزدلوں کی طرح موت کو نہیں اپنایا ۔ خوش بخت خوابوں کو اپنایا ۔ زندگی کو اپنایا ۔ لیکن زندگی نے آرزو تمنا غم گھٹن اور گھناؤنی تلخیوں کے سوا کچھ نہ دیا ۔ اس صدی کی ایک بکر وہ اور حقیقی داستان ۔ !

جلد ہی جھپ رہا ہے

نار

سید یعقوب دلکش

"کرہنز اوّ برن وول سآری ہے نبس نال۔۔۔۔ نبر روّد ما لاگیس ۔۔۔۔ بھد وہر آژ روّدس پیٹھ چھا کاہہ پژھ — وُچھان چھکھنا کمہ وُز ملہ تہ گگرا بہ چھہ گرتھان"۔ بھابی ہنز یمہ کتھہ آسہ ہے وتہ لیکان لیکان روّد ٹیکین وچھ وچھ یاد پیوان — روّد شرانہ لاجہ نس — گنی رانٹھ۔ — نہ پوت زلہ نس وار، نہ بروہ نہ پکہ نس وار ... اوسہ ہے تلی پنہ ٹپی تیز ... زود زار دولس بہ بس سٹاپس نش — دی ستی اوس ہے سآری ہے پانس لیٹھ گومت — سفید ٹرلینچ قمیض آس ہے بدنس سنتی لآرہ گاہ ژ۔ کہ بہنہ پتلونہ منزی اوس روّد دگہ پشان —

روّد شرانہ اوس ژوہ پآری ماتم کور مت — چمنکی پوشہ ٹوری آسی لہ لہ پلے ہتی — کولن تہ آرن منہ گروٹ آپ اوس کنہ پلن سنتی چھاوہ کمہ تام نغر بلچ سنگت کران — ادہ ہے — بہ اوسس پنہ کنہ

ہیٹرو مس ڈنڈس بیٹھ اکھ اکس بیٹھ اتھہ — بسہ ہنز دوہ زج تہ سبز
بج آس دنان تہ زحبتہ گرحان — جذباتو دیوٹ ساری ہے بدنس
ملد — فارنان جذبات میانس بد مکس ومس ومس بیٹھ - ٹریننیچ
فیض تہ تمی شد اودومس گوہ وخوشک - میے پھوٹ اوش - !
بہترہ دوہ زلہ بلوپچ کھود امس میانس سفید بوٹس بیٹھ -
"سپٹ گیہ خالی" — کمی نام کودسالو —
تمس آس کھودس اتھس منز ٹیونڈ لاگھ دوہ دہ بوتل — !

پھر بھی وقت کا تقاضہ پورا کرنے میں پیش پیش ہیں۔

بہر کیف جسکے سینے میں دھڑکتا ہوا احساس دل ہو اور پرکھنے والی آنکھیں ہوں وہی انسان ادیب کہلاتا ہے۔ افاؤں کے اس حسین مجموعہ کے پیش نظر مشتاق، شاہد اور دلکش کی ابھرتی ادیبانہ صلاحیتوں کا بھرپور احساس ہوتا ہے۔ اگر اسی روش کے مطابق یہ لوگ لکھتے رہے تو عنقریب ہی میدان ادب کے شہسواروں میں شمار کئے جائینگے۔ کہانی کے تینوں ان تینوں دوستوں کا رجحان دیکھ کر مجھے انکے روشن مستقبل کا یقین ہو گیا۔ میری تمام نیک خواہشات انکے ساتھ ہیں۔ اور مجھے کامل یقین ہے کہ "مٹی کے دیئے" کو ہر طبقۂ فکر میں پسند کیا جائیگا۔

سجود سیالوی
وائی آرٹ
ڈلگیٹ۔ سرینگر کشمیر۔
۱۹ ستمبر ۱۹۷۶ء

دیباچہ

فطرتاً ہر انسان ایک مصور، ایک شاعر ایک ادیب۔۔۔۔ ایک فن کار ہوتا ہے۔ لیکن فن ——— ! فن حساس ذہنوں کا وہ معصوم و مقدس روح پرور جذبہ ہوتا ہے۔ جسکی کوکھ میں آدمی زندگی کی مکروہ و بھیانک، حسین و شوخ، تلخ و شیریں حادثوں سے متاثر ہو کر اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کیلئے قلم کا سہارا لیتا ہے ——— ہم تین نوجوانوں کا سنگم "شاہین پبلشرز خانیار" کی پرخلوص آغوش میں ہوا۔ خیالوں کا تبادلہ ہوا۔ اپنی تخلیقوں پر بحثیں کیں۔۔۔۔۔۔ اور پھر جیسے کسی انجانی قوت نے ہمارے شوق آتش کو بھڑکا کر ہمیں ادب کے وسیع سمندر میں غرق کرنے کی سعی کی۔ اسطرح بالآخر "ساگر پبلیکیشنز" کی طرف سے ہمارا یہ افسانوی مجموعہ "مٹی کے دئے" آپ۔

کوشش پہلی ہے۔ یقین ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے ——— اور اپنی قیمتی اور گراں قدر رائے سے ضرور نوازیں گے ———

ہم اور دوستوں کے علاوہ جناب سجاد سیلانی کی بے

ہاں وہ ۲۴ مارچ کی ایک شام تھی۔۔۔ جب عبدل میرا سب کچھ لوٹ لے گیا۔۔۔۔ میں کچھ کہہ نہ سکا۔۔۔۔ نجمہ خوش تھی۔ نجمہ کو اپنے وجود کا احساس ہو گیا تھا۔۔۔۔ اُنھوں نے اپنی چھوٹی سی دنیا باغ کے بیرونی گیٹ کے دائیں طرف ایک جھونپڑی میں آباد کر لی ــــ!

ــــــ آج ۲۴ مارچ ہے۔ اور میں بہت اُداس ہوں۔۔۔۔ اسلئے میرے قدم اُس جھونپڑی کی اور بڑھنے لگے جس کی گرد آلودہ دیواروں میں میرا ماضی دفن ہے ــــ!

کرنیں

★ مشتاق احمد مشتاق ★ سید یعقوب زکی

اور

★ غلام نبی شاہد ــــــ کا ایک اور

افسانوی مجموعہ

عنقریب چھپ رہا ہے

احسان کا گھاؤ

مشتاق احمد
مشتاق

"دیکھو شوکت ـــــــ" سرفراز خان نے اپنے سامنے کھڑے ملازم سے کہا۔ "آج میں آخری بار کہتا ہوں۔ کہ تم اپنی روش بدل ڈالو۔"

"جناب بات، دراصل ـــــــ" شوکت نے کچھ کہنا چاہا۔

سرفراز خان نے بات کاٹ کر سختی سے کہا۔

"بات وات کچھ نہیں۔ پچھلے ایک ماہ سے تمہارے متعلق روز شکایتیں آتی ہیں۔ تم دیر سے آفس آتے ہو۔ بنا پوچھے چلے جاتے ہو۔ کام ڈھنگ سے نہیں کرتے ـــــ کیا بات ہے۔ پہلے تم ایسے نہ تھے۔"

"پہلے میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔؟" شوکت کہتے کہتے رک گیا۔ اسکی نظریں سرفراز خان کے قیمتی بوٹ پر سے پھسلتی ہوئی اسکے چہرے پر جم گئیں۔ اور

رفاق

مشتاق احمد مشتاق

مشتاق احمدی

دسمبر کی سرد ٹھٹھرتی ہوئی رات سیاہ لبادہ اوڑھے دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی۔ بند کمروں میں لاتعداد انسانوں کی لاشیں دراز پڑی تھیں دور دور تک کوئی آواز، کوئی نغمہ ـــــ زندگی کا کوئی متحرک تصور نہ تھا۔ کائنات خاموش تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ اور گلی ویران ....! لیکن اچانک دور کوئی کتا بھونک اٹھا ـــــ جیسے کہ زندگی، حرکت اور عمل کا احساس دلا رہا ہو۔ اور دوسرے ہی لمحے ایک انسانی ہیولہ ویران گلی میں سے گذر کر ایک جھونپڑی نما مکان میں داخل ہو گیا۔ ایک کمرے کے نزدیک پہنچکر لالٹین کی مدھم روشنی میں چولھے کے قریب بیٹھی ایک جوان لڑکی کو اونگھتے ہوئے دیکھا۔ سرد آہ بھر کر آواز دی ـــــ "حلیمہ"

"آ ـــ اکرم بھیا ـــــ" لڑکی نے ہڑبڑا کر اپنی بڑی بڑی گول آنکھیں پھیلاتے ہوئے شکایتی لہجے میں کہا ـــــ "اتنی دیر تم کہاں تھے بھیا ـــــ یہاں میں اکیلی ڈر رہی تھی ـــ"

"پگلی ـــــ" اکرم نے پیار سے ڈانٹا ـــ "ڈر کس بات کا تمہارے ہی کام سے دادی کے پاس گیا تھا۔ وہیں کچھ دیر ہو گئی۔ اور پھر میں نے

گل قند

سید یعقوب دلکش

کاشر گه لاب کر ینجل طاقچس بیٹھ۔ مدیر سیر سہ وس دیکچس منز ٹھانڈہ کرتھ۔

"گه لاب تہ مدیر کتھ کیتھ ؟"

"گل قند خمبیرہ کیتھ۔"

تامیے نہ گل قندک شوقے .... اما پوز میا ٹین کرٹین سیٹھاہ شوق۔

"تہ آپنے" — "بتیس وچھ اچھ تمیلان"..... وچھ ہمن ہمسائین کمہ رنگ برنگین وارہ چھ گل قند برتھ نبرہ کنہ تاپس اویزان۔"

"تہ چھ پوز — مگر تمو چھ بمبر وارہ بیرس کلمانہ مزہ — از کس کرال دیر یژھہ زیہ وارہ تھ تہ رس ؟"

"کنہ" — "

ڈاکیہ

غلام نبی شاہد

"زندہ وہ ہے، اُس کی رُوح زندہ ہے جو دُوسروں کے لئے جیتا ہے ——— وہ مر چکا ہے ——— اُس کی رُوح مر چکی ہے۔ جو صرف اپنے لئے جیتا ہے" ——— !

——— یہ الفاظ نہ جانے ہیں نے کہاں سے سُنے تھے ..... یہ الفاظ یاد آتے ہی مجھے اپنا آپ منوں بھاری محسوس ہوتا ہے ..... میں جب بھی خوش ہوتا ہوں یا کسی بات پر ہنس لیتا ہوں تو اچانک یہ الفاظ نشتر کی طرح میرے وجود کو ڈسنے لگتے ہیں۔ اور ماضی کے دریچوں سے ایک دُھندلا عکس رینگتا ہوا میری ساری خوشیوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ جو بچپن سے میرے وجود کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہے ..... دھندلا عکس رفتہ رفتہ ایک تصویر بن کر مجھے سوالیہ نظروں سے گھورنے لگتا ہے۔ اور میں ماضی کے دریچوں سے گذر کر اپنے مکان کے آنگن میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی دروازہ کھول دیتا ہوں ..... اور میرے سامنے

ان کی ہر کہانی وقت اور سوسائٹی پر لگے ہوئے بد نما دھبوں کی بے باکی کے ساتھ نشاندہی کرتی ہے۔ مشتاق نے "مٹی کا دیا" تخلیق کر کے جہاں اوباش مردوں پر طنز کی کاری ضرب لگا دی ہے وہاں ستم رسیدہ معصوم لڑکیوں پر مشتاق نے آنسو بھی بہائے ہیں۔ بوند بوند پیاسی میں شاہد نے خود بھی جذبات کی رو میں بہہ کر جذبات نگاری اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ خط پر مبنی اس کہانی میں شاہد کا اچھوتا فن واضح طور پر نکھر آیا ہے۔ الغرض مشتاق اور شاہد کی ہر کہانی میں روایتی رنگ کی حسین چاشنی اتم موجود ہے لیکن ان کے برعکس دلکش کی کشمیری زبان میں لکھی گئی دلکش کہانیاں جدیدیت کے سانچے میں اسطرح ڈھل گئیں ہیں کہ قاری اپنے ذہن کو جھنجھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دلکش نے جدید افسانے کا اسلوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اسی لئے اس کی ہر کہانی غور طلب ہے۔ مخصوص علامتوں کا سہارا لیکر اپنے داخلی احساسات کا اظہار کرنا آجکل معیاری فن کہلاتا ہے اور دلکش اس فن سے بخوبی واقف نظر آتا ہے۔ "گل قند" میں دلکش کا جدید رنگ عروج پر ہے۔ لیکن ابہام کے بھاری پتھر کے تلے دبا ہوا فن پارہ کبھی کبھار دب کر ہی رہ جاتا ہے۔ لہذا کہانی کار کو قاری کی ذہنی سکت کا لحاظ سامنے رکھتے ہوئے مناسب ابہام کا استفادہ اٹھانا چاہیئے۔ تاہم دلکش کی کہانیاں مبہم سہی

موت کا دن

مشتاق احمد مشتاق

رات خاموش اور حسین تھی۔
ٹھنڈی ہوائیں کسی دلہن کے گھونگھٹ کی طرح آہستہ آہستہ سرسرا رہی تھیں۔۔۔۔ چاند۔۔۔۔ بھرا پورا چاند دلکش سماں پیدا کئے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے یہ سب کچھ بدل گیا۔ رات تاریک اور بدصورت ہو گئی۔ چاند چھپ گیا۔ اسکی مسکراہٹ سیاہ خوفناک بادلوں نے نوچ لی۔ بلکل اسی طرح جسطرح رخسانہ کی مسکراہٹ ہم محلے والوں نے چھین لی تھی۔

محلے کے ہر ایک فرد کو رخسانہ سے نفرت کرنے کا پورا پورا حق تھا۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں۔۔۔۔۔ سبھوں نے اسکا جینا دشوار کر دیا تھا۔ طنز — حقارت اور نفرت۔۔۔۔!!! یہ تین چیزیں اسکے وجود کا ایک حصّہ بن چکی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے صرف چند سال پہلے وہ کتنی ہر دل عزیز تھی۔ کتنی معصوم تھی۔ کتنی شوخ

اوہو — ہیے ژُجِ کر بکھ نیرِتھ — سو گیُر نے سنگہ کو چھ منز تھوّدو وُتھتھ — "کیاہ"؟ — کہنی نہ — "ژے نیوُتھ خابس منز پننہ اَتھ ستی میانہ زخمک کرُول بُلتھ" — "یہ کیُتھ زخم؟" سو لجُ ہیے دنہ — "یہ چھُ سُہ زخم یمُ تمُ سُندنار ژھیتہ کوّر" —

نار — کُس نار؟

"انہ گیُہ اَس یٹلہ ہیے تمُ آلو کوّر — یہ ٹاس تمُ سُندس مکرس منز میانہ اژنہ پتے گو دمکوک دروازہ بند — لال ٹینچ سو یتھ دآجِ تمُ بوُن" —

"کھوژمہ ..... میژہ تیل چُھنا دُوگ" —

اتھس تھپھ کرِتھ یہہ نوونس یہ تمہ ژھیتہ مژہ گاسِوہ ژآنگی جہ پیٹھ — تمہ اوس بروتھے مس پریشان کوّر مُت ..... پرِدِکی جامہ گے یٹلہ — "یہ کیاہ"؟ — ضمیرس ژجِ کر بکھ نیرِتھ — "یہ چھُ نار — یُس ژے ژھیتہ چھے دُکرُن" — !

یہ گوس ژآنگی جہ پیٹھ تھوّدو وُتھتھ —

"پتھ روز بے حیا — بے شرم —"

"بے حیا بے شرم چھُ نار ..... یُس الاوہ ہیے گوٗنڈ مُت چھُن — سُہ کر ژھیتہ" —

"یہ نار ژھیتہ کرُن چھُ سفید لمبن بیاہ رنگ کرُن — اہمس ہٹو لُس کنڈ ولنے — بے گوہ ناہ پوشہ ٹوٗر یرہ کرُن — یُس یہ نار ژھیتہ کرہ تمُس دزُن پر — یہ گوہ سرسبز برگن زرژ ثانُن —"

تمۂ ہندی نالہ پدی آسہ ہے بردہ نہ کن پکان - یہ اوس پنہ کرتہ چیرہ تھپھ کرتھ پتھ پتھ ٹلان — نیبری کنی آسہ اکھ اکھ دزمل نہ گلگرای گرتھان —

اوک ژآبس پیٹھ یوہ سہ کترِ دیلیچ اس سو پیٹھ دسی - لیچ گے پھلکی —

"یتھ لیچ ہندس آلہ کہ ہنڈلس منز کس ہٹس کہ ہنی وانکھ گنڈتھ ہے؟

"میٹون نار — ہرگاہ نہ ژہ یہ نار ژھنہ کہ کھ تیلہ کرہ یہ چانہ نہ سینتی ژھلتہ؟

تمۂ ہندیو اتھو نیہ میانو کہ ہنی سینس تل ژٹھ — یمے ژ جی کہ یکھ نیرتھ — تمۂ ہندی دند آسی مازس منز نری ہتی —

وٹھ تمۂ ہندی آسی خوہ نہ سینتی برتھ — ....!

بس رکے یہ کہ تام — کہ تام — شامہ ثالہ آسہ لجہ منزہ اکھ اکس سینتی اتھ واس کرنہ — کاوزہ آسی انہ گہ منز اکھ اکس سینتی کار لاوتھ خابن منز —

بس آس اودلڑہ سینتی برتھ — ژلہ سینتی لوگ میٹون سینہ تمۂ ہندس کمرس سینتی — تمۂ ہند کہ ہن اودمس اوس میانس سینس سینتی نالہ موٹ کرتھ — میانہ قمیضہ ہندی پاٹھو اوس تمۂ ہند اودر اق بدلس سینتی لارتھ گومت —

تمۂ ہند ہٹھ دچھنہ طرفہ تہ میٹون کھودہ طرفہ - لسہ ہندس

گھونگھٹ خوابیدہ

غلام نبی شاہد

آج ۲۴ مارچ ہے۔ ہماری شادی کی تیسری سالگرہ مجھے تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ میں اُداس کیوں ہوں ۔۔؟ عالیشان بنگلہ، نوکر، چاکر، دھن دولت، پڑھی لکھی خوبصورت بیوی ۔۔۔۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جیسے میرے پاس کچھ نہیں ۔۔۔ یہ بناوٹ ہے، فریب ہے ۔۔ جل ہے ۔۔۔۔ پھر ۔۔۔ پھر حقیقت کیا ہے ۔۔۔۔؟ ۔۔۔ وہ بیرونی گیٹ کے دائیں طرف ایک خستہ مگر حقیقت پر مبنی ایک جھونپڑی ۔۔۔ جہاں نہ نوکر ہے، نہ چاکر ہے، نہ دھن ہے نہ دولت ہے ۔۔۔۔ جہاں حقیقت ہے ۔۔۔۔ سکون سے پُر ایک خوشگوار زندگی ہے ۔۔۔۔ جہاں مالی اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی بسر کر رہا ہے ۔۔۔۔ اُن کی شادی بھی تو آج ہوئی تھی ۔۔۔!

ہاں ٹھیک تین سال پہلے اسی دن ۲۴ مارچ کو ۔۔۔۔!

میں جب بھی اُداس ہوتا ہوں۔ میرے قدم اُسی جھونپڑی کی

سکون سے پر ایک خوشگوار زندگی ہو۔۔۔۔!

اُس روز میرا جی کہیں نہ لگا۔۔۔۔ میں دن بھر نجمہ اور اپنے بارے میں ہی سوچتا رہا ـــــ آخری حل یہی تھا۔ میں ماں سے بات کر لوں ـــــ میں ابھی اپنے ذہن میں الفاظ ہی ترتیب دے رہا تھا کہ ماں کی آواز نے میرے تن بدن سے سارے الفاظ بھٹک دیئے۔۔۔۔

"تنہیں نجمہ کی سخت نکر تھی نا۔؟"

"ہاں ماں"۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا

"میں نے نجمہ اور عبدل کی بات پکی کر لی"۔

"پکی کر لی" ـــ میرا منہ ادھ کھلا رہ گیا۔۔۔!

"ایسی کوئی بات نہیں بیٹا میں نے دونوں سے پوچھ کر فیصلہ کر لیا ہے۔ دونوں راضی ہیں"۔

میری آواز حلق ہی میں اٹک گئی جیسے کسی نے مجھے پہاڑ کی اونچی چوٹی سے ہاتھ پیر باندھ کر نیچے گہری کھائی میں پھینک دیا ہو۔۔۔۔ میں چلانا بھی چاہتا۔۔۔۔ لیکن چلا نہ سکتا۔۔۔۔ میں گرتا گیا۔۔۔۔ اور ذہن میں ایک گورا چٹا مسکراتا ہوا چہرہ گھوم گیا۔۔۔۔۔ ہمارا مالی ـــ عبدل ـــ جس سے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتا رہا تھا۔۔۔۔ اور شاید آج اُسے اپنی وفاداری کا بدل مل گیا تھا۔ میری چھوٹی سی دنیا لوٹ کر ـــ!

ـــــ آخر وہ دن بھی آگیا جس دن نجمہ اور عبدل کی شادی اور میرا شہر کے ایک رئیس کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ چند ٹکڑوں کے عوض سودا ہو گیا ـــــ

پہلے ہی کہا تھا۔ مجھے دیر ہو جائے تو میرا انتظار مت کرنا۔ کھانا کھا کے تمہیں سو جانا چاہیئے۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونی چاہیئے۔"

"تکلیف تو بھیا تم اٹھاتے ہو۔ میرے لئے اتنا کام۔۔۔۔"

"کام ——" اکرم بہن کی معصومیت پر مسکرایا —— "ہیں نہ کروں۔ تو کیا تو کرے گی۔ میری بھولی بہن تیرے سوا اس دنیا میں میرا ہے ہی کون۔ تیری خوشی ہی میری خوشی ہے۔ بس ارمان ہے تو صرف تمہاری شادی کا"۔۔۔

"بھیا ——" جلیمہ کے رخسار یادِ حیاء سے سرخ ہو گئے۔ اُسکا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ وہ شرم کے مارے دوسرے کمرے میں بھاگنے ہی والی تھی۔ کہ اکرم نے آواز دی۔ "اری بھاگتی کہاں ہے۔ آج کیا مجھے بھوکا ہی مار ڈالے گی"۔

جلیمہ کے قدم رک گئے۔

خاموشی سے بھائی کے سامنے کھانا رکھ دیا —— کھانے کے دوران اکرم جلیمہ سے باتیں کرتا رہا۔ بہن کے کنول جیسے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھنے کیلئے بچکانہ رہا۔ جلیمہ بہت کم ہنستی تھی۔ بہت کم باتیں کرتی تھی۔ شرمیلی اور کم گو لڑکی تھی۔ شرمیلی نگاہوں سے بھائی کے چہرے کو تکتی جیسے ہر بات کا جواب ہو۔ ہر جذبے کا جیسے مقدم ہو۔ کھانا کھا کر دونوں خاموشی سے اپنے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔

اکرم نے سونے کی کوشش کی۔ لیکن معمول کی طرح آج بھی اسکی نیند روٹھی ہی تھی آدمی زیادہ سوچے تو نیند کم ہی آتی ہے۔ اس وقت بھی وہ کھڑکی کے سامنے بستر پہ لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا۔ حالانکہ سردی زوروں کی تھی۔ وہ کھڑکی بند کر سکتا تھا۔ لیکن نہیں —— وہ کھڑکی بند کر کے سو جانے کا عادی نہیں تھا۔ بند کمرے میں وہ گھٹن

لمحوں کی بھاگ دوڑ اتنی تیز اور تلخ کیوں ہو جاتی ہے۔ سرفراز خان۔۔۔۔
وہ سرفراز خان کیوں نہ رہا۔ جو میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ جو میرا دوست، میرا ہمراز تھا۔ آج وہ باتیں، وہ دوستی، وہ خلوص کیوں نہ رہا۔ یہ فاصلے، یہ دوری کیوں ——— ؟ آفیسر اور ماتحت کا رشتہ کیسا ——— ؟ کیا انسان بڑا آدمی بن کر پرانے رشتوں کو توڑ دیتا ہے۔ بھول جاتا ہے ——— ؟

"ہائے ڈارلنگ۔۔۔۔۔" ایک مدھم سی آواز نے شوکت کے خیالوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ ایک خوبصورت لڑکی شوخ و دلکش مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی کمرے میں داخل ہو کر بولی۔

"باہر دیکھئے کیا حسین موسم ہے۔ اور آپ ہیں کہ یہاں بیٹھے زندگی کے حسین لمحے برباد کر رہے ہیں۔"

"نہیں ——— میں ذرا ان سے۔۔۔۔۔" سرفراز خان نے مسکرا کر شوکت کی طرف اشارہ کیا۔ شوکت کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُسے ننگا کیا گیا ہو اُسکی دھجیاں اڑا دی گئیں ہوں۔

اور لڑکی ایسے چونک اٹھی۔

جیسے اب احساس ہو گیا۔ کہ یہ سرفراز خان کا پرائیویٹ روم نہیں بلکہ آفس ہے۔ یہاں اور بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ وہ شوکت کی طرف مڑی ———

"آ۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔ معاف کرنا میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں ———" شوکت لاپرواہی ظاہر کرنے کے لئے ہنس پڑا۔ سرفراز خان بھی ہنس پڑا۔ کوئی دھیرے تھی۔ لڑکی کے ہونٹوں پر بھی

ہنسی آ گئی۔ کوئی مفہوم کوئی معنی نہ تھا۔
چند لمحے یونہی خاموشی سے گذر گئے۔
پھر اچانک سرفراز خان اپنی کرسی سے اُٹھکر بولا ــــ "اچھا شوکت میں ذرا ان کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔ اور ہاں۔ جب تک میں نہ لوٹوں۔ یہیں رہنا تم سے ایک بات پر غور کرنا ہے۔"

"غور" ۔ ۔ ۔ ۔ شوکت نے ٹھنڈی سانس لی۔ جیسے کہنا چاہتا ہو۔ غور ہی تو کر رہا ہوں۔ اب کس بات پر غور کرنا ہے۔ غیر متوقع کچھ بھی نہ ہو رہا ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔ آج بھی ہوا۔ کوئی نئی بات نہیں جاؤ۔ ــــ تم لوگ جاؤ ــ کہ لمحے قیمتی ہیں۔ جوانی کے لمحے ۔ ۔ ۔ ۔

سرفراز خان لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر باہر نکلنے لگا۔ وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہوئے۔ تو شوکت ایک لمحہ خالی خالی نظروں سے دروازے پر لگے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا رہا۔ دوسرے ہی لمحے اُسکے اندر سے کسی نے بے آواز قہقہہ لگا دیا ــــ "تمہارا دوست ــــ اور تمہاری بھوبھی سرفراز خان اور پروین بالو ــــ جوڑی شاندار ہے۔"

"میں نے دیکھی ــ" شوکت اپنے آپ سے چیخ کر بولا ــ "لیکن تمہاری طرح جلا نہیں" "جلا تو میں بھی نہیں" ــــ قہقہہ مزید تلخ ہو گیا ــــ "لیکن تمہاری قسمت پر رونا آتا ہے ــ کہ تم کلرک تھے۔ کلرک نہ ہوتے۔ کچھ اور ہوتے۔ تو ۔ ۔ ۔ "تو کیا ہوتا ــــ ؟" شوکت چلایا۔

قہقہے میں تیزی آگئی۔

جیسے کوئی دانتے ہوئے کہہ اُٹھا ہو ـــــ "آج پروین کا بدلا بدلا روپ نہ دیکھا پڑتا۔ تمہارے دوست کی محبوبہ بن کر سامنے نہ آتی۔ وہ تمہاری ہوتی صرف تمہاری ـــــ یاد ہے شوکت تمہارا جذباتی فیصلہ سنکر پروین نے کیا کہا تھا"

"شادی ـــــ اور تم سے ....!"

"کیوں ـــــ کیا تو ایسا نہیں چاہتی"

"نہیں بالکل نہیں ـــــ" پروین کے لہجے میں کوئی جھجک نہ تھی۔ "تم ہی سوچو ـــــ کیا میرے ڈیڈی مجھے ایک کلرک سے شادی کرنے کی اجازت دیں گے ـــــ"

"پروین ـــــ" شوکت پاگلوں کی طرح چلا اُٹھا ـــــ "یہ تم کہہ رہی ہو۔ تم ـــــ پھر تمہارا پیار، وہ وعدے، وہ باتیں ـــــ وہ سب کچھ کیا تھا۔ ایک ناٹک تھا ـــــ"

"ناٹک ـــــ" پروین طنزاً ہنسی ـــــ کچھ دیر ہنستی رہی۔ شوکت اس ہنسی سے کانپ اٹھا۔ کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ پروین لہجہ بدل کر بولی ـــــ

"اسے ناٹک ہی کہنا چاہیئے۔ فرصت کے چند لمحات آباد کرنے کو، ایک ساتھ چائے پینے، پکچر دیکھنے یا باتیں کرنے کو تم محبت نہیں کہہ سکتے۔ رہا شادی کا سوال۔ تو میرا جواب ہے۔ کوئی بھی سمجھدار لڑکی خود ہی اپنے سر پر کلہاڑی نہیں مار سکتی۔ اپنا مستقبل تباہ نہیں کر سکتی ـــــ"

پروین حسین تھی۔

مگر یہ روپ ..... یہ باتیں ..... یہ لہجہ تلخ و بدصورت تھا ۔
شوکت کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے ۔ وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ کہہ نہ سکا
جی میں آیا ۔ اُٹھکے اس مکار لڑکی کا قصہ تمام کرے۔ اسکا گلا گھونٹ دے
لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا ۔ وہ محض پروین کو دیکھتا رہا ۔

اور پروین چلی گئی ۔

آج بھی پروین چلی گئی ۔ نیا زخم ..... نئی چوٹ
دے کر ۔ مگر آج کی تازہ چوٹ نے ذہن کے تاریک گوشے میں چھپی ہوئی بات
کو جیسے زبان دی ۔ اُسے احساس ہو گیا ۔ واقعی وہ حقیر ہے ۔ نفرت کے
قابل ہے۔ پروین جیسی لڑکی کو اپنانے کا خیال اسکے لئے محض ایک خواب ہے۔ اس
لئے یار دوست رشتے داروں میں نظریں دوڑائیں ۔ تو اپنے آپ کو کتنوں سے
کیا ۔ ہونہہ کلرک ..... اُسے اپنے پیشے سے نفرت ہو گئی ۔ ایک عام
کلرک کا چہرہ اُسکی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا ۔ سکنڈ ہینڈ کپڑے پہنے ہوئے،
بجھا بجھا سا، بیزار چہرہ ، دھنسی ہوئی ویران آنکھیں ، دل میں خواہشات
کا سمندر، کل کی امید پہ جینے والا ۔ جیسے کل کوئی لاٹری نکلنے والی ہے
یہ بھی کوئی زندگی ہے ۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ..... ؟ وہ
مزید کچھ سوچ نہ سکا۔

احساس کی شدت کی صورت اختیار کی ۔ گھٹن کا احساس بڑھ گیا
مزید تلخ اور گھناؤنا ہو گیا ۔ اسی لمحہ اُٹھکے کمرے سے باہر نکل آیا ۔

سی محسوس کرتا۔ جیسے کہ تپ دق کا مریض ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُسکی عمر صرف تیس سال تھی۔ لیکن چہرے پر جوانوں جیسی کوئی شگفتگی، کوئی تازگی نہ تھی۔ حالات اور حادثوں نے اُسے وقت سے پہلے ہی بوڑھا بنا دیا تھا۔ ماں کے نقوش اچھی طرح یاد نہ تھے کہ چھوٹی بہن حلیمہ کے جنم کے ساتھ ہی چل بسی تھی۔ ٹرک ڈرائیور باپ اُس وقت ایکسیڈنٹ میں مر گیا۔ جب وہ صرف ۱۳ سال کا ایک معصوم بے مکر بچہ تھا۔ بھری دنیا میں چھوٹی بہن حلیمہ کے سوا اور کوئی اپنا نہ رہ گیا تھا۔ اور کسی نے سرپرستی نہ کی تھی۔ کئی دنوں تک وہ بہن بھائی ایک دوسرے سے لپٹے روتے رہے ۔

۔۔۔ آخر کب تک ۔۔۔ ؟ باپ کی رہی سہی پونجی ختم ہوتے ہی بھوک اپنا بد صورت منہ کھولے بھیانک رقص کرنے لگی۔ زندگی کی تلخیاں مکروہ چال چلتی ہوئی سامنے آگئیں۔ چھوٹا معصوم بچہ ذمہ داریوں کے احساس تلے دب گیا۔ لیکن اس نے ہاتھ نہ پھیلائے۔ جلد ہی سنبھلا اپنی تعلیم ترک کی۔ اور لالچوک میں متقامی اخبار بیچ کر دو تین روپے کما کے اپنا اور اپنی بہن کا پیٹ پالنے لگا۔

دن گذرتے گئے ۔۔۔ مہینے اور سال ۔۔۔ !

اکرم جوان ہو گیا ۔۔۔ لیکن جوانی کا کوئی شوخ خواب اُسکے ذہن میں نہ مچلا۔ جوانی کے اُچھلتے مچلتے جذبے مردہ تھے ۔۔۔ پیٹ پر سکون نہ ہو۔ تو شادی زندگی اور جذبات کی وقعت ہی کیا ۔۔ ؟ ارمان کچلنے ہی پڑتے ہیں ۔ پیٹ کے بعد انسان کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ پیٹ کا مسئلہ آدمی محنت مشقت سے حل کرتا ہے جبکہ عزت کیلئے دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔ دوسروں کا محتاج رہنا پڑتا ہے لیکن وہ خوش قسمت تھا کہ بہن اُسکی عزت سنبھالے رکھی تھی شرم و حیا تھی سلیقہ پرانے کپڑوں میں بھی جوانی چھپا رہی تھی۔ محلے میں اُسکی

شرافت کے چرچے تھے۔ ایسی بہنیں قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں۔

باپ، ماں کوئی عزیز سرپرست نہ ہو تو بھائی کے لئے بہن کا گھر بسانا ..... بہن کو دلہن بنانا..... بہن کے لئے جیون ساتھی تلاش کرنا ایک اولین فرض بن جاتا ہے۔ اکرم کو اپنی کم مائیگی کا احساس تھا۔ لیکن وہ فرض سے آنکھیں چرانیوالا آدمی نہ تھا۔ ہر ماہ کچھ روپے بچا کر بہن کی شادی کے لئے سامان بنا رہا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ کو کوئی نئی چیز لاکر کہتا ــــ "دیکھ جلیمہ ــــ یہ گہنا بھی تیار ہوگیا ــ اصلی چاندی کا ہے۔ اب جھمکے لانے ہیں۔ اور ہاں اچھے قیمتی کپڑے بھی تو لانے ہیں۔ کل شام سے میں کوئی دوسرا کام کروں گا۔ تیری شادی کے لئے ڈھیر سارے روپیوں کی ضرورت ہے۔"

"بھیا تم ....." جلیمہ کچھ کہتے ہوئے رک جاتی۔ قرط جذبات سے بھائی کی پرخلوص آغوش میں اپنا سر چھپا کر سسکنے لگتی ــــ بھائی اُسے کتنا چاہتا ہے کتنی محبت کرتا ہے۔ بہن کو دلہن بنانے کا اُسے کتنا ارمان ہے۔ یہ ارمان.... یہ خواب .... پورا بھی ہوگا یا.....؟ وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔ اکرم بھی سوچ سوچ کے پریشان ہو جاتا۔ لڑکوں کا جیسے شہر میں کال پڑا تھا۔ کوئی شریف لڑکا ملتا نہ تھا۔ ملتا بھی اگر تو لڑکے والوں کے تقاضے اُس غریب کے لئے ناقابل برداشت ہوتے۔ لیکن اُس نے ہمت نہ ہاری۔ رات دن، سکھ چین، نیند آرام اپنا سب کچھ بھول کر ــــ اپنے پیٹ کاٹ کر ارمانوں کا گلا گھونٹ کر بہن کے مستقبل کی روپ ریکھا سنوارنے کی کوشش میں لگا رہا ــــ

مزید ایک سال گذر گیا ــ

گرہ کہن ہنز کنی کر بکھ ۔۔۔۔ "قرض قرض کرئ تھ آلو اسی گل قندہ
خاطرہ وار ۔۔۔۔ تژھ وار پچ گل قند تژھ موٗد راسہ ۔۔ زہ کا نسہ
ہنز زلو ٹیٹھی نہ نانہہ"

"تژھ زبر وار کمس کرالس ہمو ۔۔ شوبہ وٹی تہ لوبہ وٹی ۔۔
شراہ اچھ لجہ ژھانڈ نہ ۔۔"

آ ۔۔ اگرتے وار جل جل بنہ ۔۔ کا شری گوہ لاب گرنھ ہوکھ ۔۔
مدیریس لگن کیمی ۔

یتھ گرمہ کرایہ منز کس چھ سنہ یمس نہ تژلیشہ یا پتھ وٹھن پرچھ
لگان ۔۔ زلو یران پھٹھ ۔۔ وچھس نار ہیوان ۔۔ اچھن نٹان
لگان ۔۔ ۔ سے یمس نہ گول زرد لیمبین یا پتھ اکھ پولہ
تہ چندس منز چھ ۔۔"

از چھ لیمبین سکھ یاوٗ ۔۔ گول زرد لیمبی وچھ وچھ چھ
مے ہیوانسان ۔۔ ہنہ بدلہ وٹھ زیوہ سنتی پھشان سان
وٹھن وہنز پتر دندوسنتی تلان ۔۔ "اما پوٗد اسہ پنہ ژھروسے
آلس ۔۔ گرہ وٹھ گرہ وٹھ چینس ہال کرنی ۔۔"

یم ٹوکرہ منڈی لیمبی کیانہ چھ میانہ تژلیشہ وتش دوان ۔
مے وٗنھ تژلیشہ دوٗدسہ ۔۔

اکھ لیمبی تژلیشہ گلاساہ بنہ ما چیتھ ۔۔ کنی دام ۔۔ مگر کتہ ۔۔؟
یہ ماٹوٗلس کرالہ پشدہ وانہ نشہ ۔۔ ادہ کیاہ ۔۔ لیمبین وچھ وچھ

— کنی کر بکھ "

تی چھ ٹھیک — اما پوز — گرہ وا تھ یُس کا نسہ وہ پس نظر پیشہ
سُہ زاگہ — " زبر وار — شوہ ہ وزی تہ لوبہ وزی — شراہ اچھ لحمہ
زعانڈ نہ "

الہ فا بہ پیشہ میا ذی نظر تھ وابہ کن یو سہ گردہ تہ ما یہ منز ولنہ آس
سہ ہز — تہ یو لوگس کر الس ونہ —

" نہ ہز ہو زبر وار یو سہ کو نس منز چھ ما دکھ "

صفدر لیٹ چہ ہو نگنہ سنتہ ٹلی چہ لا گتھ لوگ ہے وابہ وابہ ونہ
" یہ تہ ہز چھے تہ اصل — پوشہ لنجہ کرتھ یہ کیاہ زبر وار سہ
چھے "

تہ چھ ٹھیک — اما پوز —

" زنگس تہ ڈ زا نس چھ ساری عاشق — مگر ژور زاگہ۔
زنگس ر وغنس تہ پوشن ہُرہ نرخ — ساڑ باہ آ تہ نالہ موت کرتھ۔
اما پوز سروگ گو وروگ — اپز — دڈ وگ گو وسروگ۔
وچھ منز سوالہ جوابن مُند نیائے —

" چز چھ خبر اس پسند کرن — نہ کہ دکانداس یہ خوش کرہ تہ دلس "
یہ کتھ یو زتھ وتھ کرال وارہ وابہ کرس پیٹھ نرہ تھا وتھ — تہ
چل اُن کو تہ منزہ سو وار بو ن کن والتھ —

" ہز کہنہ دھی — ہا وکھ دلہ یہ گر دی تھ ایس "

حلیمہ اب عمر کے چوبیسویں سال میں گزرنے لگی تھی۔ اکرم کو بہن کی جوانی بہن کے جذبات کا احساس تھا۔ لیکن وہ مطمین تھا۔ خوش تھا۔ فکر کی اب کوئی بات نہ تھی۔ کہ رشتہ ایک جگہ طے ہو چکا تھا۔ ایک شام گھر لوٹ کر حلیمہ سے کہا۔

"اب سنار نے کڑے بھی دے دیئے ہیں۔ کپڑے بھی تیار ہو گئے۔ لڑکے والوں سے میں کل پرسوں شادی کی تاریخ مقرر کر دوں گا۔ باقی رہا اُن کی مانگ کا ایک ہزار روپیہ۔ اسکا بھی جلد ہی کوئی انتظام ہو جائے گا۔"

یہ سنکر حلیمہ کے چہرے پر خوشی کا کوئی تاثر پیدا نہ ہو گیا۔ محتوم سی نظروں سے اکرم کے چہرے کو تکنے لگی۔ جیسے شدت سے احساس ہو گیا ہو۔ کہ وہ بھائی کے لئے پریشانیوں کا سبب بنی ہوئی ہے۔ کاش اُسکا کوئی وجود نہ ہوتا۔ وہ مر گئی ہوتی۔ بھائی میرے لئے اتنی محنت نہ کرتا۔ اسقدر فکرمند اور پریشان نہ رہتا

اکرم جب بہت دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی ایک ہزار روپے کا انتظام نہ کر سکا۔ تو ایک دن اُس نے حلیمہ کو بتائے بغیر اپنا جھونپڑی نما مکان گروی رکھ دیا۔ اُسی دن شام کو لڑکے والوں سے شادی کی تاریخ مقرر کر کے گھر لوٹ آیا۔ وہ روزانہ گھر دیر سے آکر اکیلا کھانا کھاتا۔ اور حلیمہ کو بیدار کئے بغیر سو جاتا۔ مگر آج خوشی سے اُس کی بھوک مٹ گئی تھی۔ وہ بہن کو خوشخبری سنانے کے لئے بے تاب تھا۔ جلدی سے حلیمہ کے کمرے میں گیا۔ آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ حلیمہ سو رہی تھی۔ بالحاف میں اپنے آپ کو چھپایا تھا۔ اکرم نے دوسری بار قدرے اونچی آواز میں پکارا۔ جواب پھر بھی نہ ملا۔ خوش خبری سننے سے پہلے مر تو نہیں گئی۔ لیکن نہیں۔ انسان اس رفتار سے مر جاتے تو آبادی کا مسئلہ

یہی دھندلا عکس آنکھوں میں کرب چہرے پہ پھیکی مسکراہٹ لیے میرے ہاتھ میں خط تھما دیتا ہے۔

——— وہ گھنٹی بجاتا ہوا چلا جاتا ہے ۔۔۔۔ اور میں ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتا رہتا ہوں ۔۔۔۔ یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔۔۔۔۔ ہاں یہ دھندلا عکس رام لعل کا ہے ۔۔۔۔ رام لعل ہمارے محلے کا ڈاکیہ ۔ جسکو میں نے بچپن سے آج تک صرف خط بانٹتے ہوئے دیکھا ۔۔۔۔۔ میں بچہ تھا ۔۔۔ جوان ہوا ۔۔۔۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی ۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔ رام لعل ابھی ڈاکیہ ہے ۔۔۔۔ صرف ڈاکیہ ۔۔۔۔

ٹھٹھرتی سردی ہو یا جھلسا دینے والی دھوپ ۔۔۔۔ رام لعل اسی ٹھٹھرتی سردی یا جھلسا دینے والی دھوپ میں مجھے کسی عزیز، دوست یا رشتہ دار کا خط لے کر آتا ہے ۔۔۔۔ میں خط لیتے ہی دروازہ بند کر لیتا ہوں ۔۔۔۔ اگر کبھی اتفاقاً میری نظریں رام لعل کے چہرے پہ پڑ جاتی ہیں ۔۔۔۔ میری نظریں خط کی تحریر پڑھنے کے بجائے رام لعل کی پھیکی مسکراہٹ کے پیچھے ہزاروں پھیکی تحریریں پڑھنے پہ مجبور ہو جاتی ہیں ۔۔۔۔ جنہیں بچپن سے آج تک میں سمجھنے سے قاصر رہا ۔۔۔۔۔!

رام لعل کیچڑ بھری گلیوں میں سے سائیکل گھسیٹتا ہوا ۔۔۔ اور دوسرے خط کا تمام زبان پہ دہراتے دہراتے دروازے تک دیتا رہتا ہے۔

۔۔۔۔ اور میں خط پڑھتے ہی خوشی سے پاگل سا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خط میرے کسی دوست۔ عزیز ۔۔۔ یا کسی رشتہ دار کا ہوتا ہے ۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔!

..... کیا کوئی ڈاکیہ نہیں بیٹے کا خط لے کر آیا ... نہیں رام لعل .. نہیں ... تم صرف اس کی راہ تکتے رہے ..... اس روز سخت بارش ہو رہی تھی میں چائے کی گرم چسکیاں لے کر ٹھٹھرتی سردی سے بچنے کی ایک ناکام کوشش میں مصروف تھا ... میں سوچ رہا تھا۔ میں ناکام کوشش میں مصروف کیوں ہوں ... نہیں ... شاید اپنے مرے ہوئے وجود کو زندہ رکھنے کی ایک کامیاب ترکیب ہے ... نہیں میں زندہ ہوں میری روح زندہ یہ الفاظ اپنے آپ سے قدرے اونچا بڑبڑا کر میں نے کمرے کی بڑی کھڑکی کھول دی .... بارش کا سنسناتا ہوا شور میری ساری ناکامیوں پر غالب آگیا ... بارش کا ہر قطرہ زمین پر پڑتے ہی اپنے پھیلتے وجود کو میری طرح سمیٹنے میں ناکام ہو رہا تھا .... لیکن مجھے ہر قطرے کے پس منظر میں زندہ رہنے کی ایک ترکیب نظر آرہی تھی ..... اور وہ تھی ... رام لعل کی ..... دھندلی پھیکی مسکراہٹ ..... !!

اچانک گھنٹی کی آواز نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کی ... اور کوئی انجانی قوت مجھے کمرے سے باہر لے آئی ... "رام لعل" ..... یہ نام اپنے آپ سے ہڑبڑاتے ہوئے میں نے دروازہ کھول دیا ... لیکن یہ دیکھ کر میں وہیں ٹھٹھک گیا ... ڈاکیہ ضرور تھا ... مگر ... رام لعل نہیں ..... !!

یہہ رُکنگ اشاکیلن — مگر — ! بس رُکھے تہٕ کنھ — سوٚہ آس آسان سوار یو
سٕنتہٕ بٕرتھ —

دٕوہ اوس دٕ سٕنتہٕ — دٕتھ آس خاموش — نہٕ سرنہٕ صداہ — گٕلہٕ لنجہٕ
پیٹھ آسہٕ زٕکاوٕ ژھوہ پہٕ ماے کٕرتھ اکھ اکس سٕنتہٕ بہتھ — رٕدٕ دشرانہٕ آسہٕ
مُنزٕ مُنزٕ ژھوہ کان تہٕ ہمٕو دٕوہ یو کاوٕ دمنز اوس اکھ کاو پٕنٕ گردن لوٚمہٕ راوان
— تہٕ بیاکھ کاو اوس آمنٕدس کلس پنٕنہٕ تونٹہٕ سٕنتہٕ پُشٕ پُشٕ دوان — اُتھ
کاوٕ تونٹہٕ سٕنتہٕ ہمٕو ہے پنٕن دُچھٕن اتھہٕ یاد — لٕیٚس زٕوٕنہٕ گاشش منز اوس
تٕمسندس پریشان مسنس منز پنٕنہٕ تقدیرچ پٕکھ سٕیٚز راوان — تہٕ پنٕنہٕ اُچھ تٕہنزن
سمندر چشمن منز تہٕ ہنٕتھ نادٕ مُہندم ڈٕتھ اوسُس پہٕ سوٚدرس تاردوان —
اکھ آس آسان زٕوٕن — بیٕرسوٚ تہٕ ہٕ — بالکل قریب — تتھ زوٕن شہادت —
سماجہٕ چہٕ دوہ سہٕ آسہٕ آسان مژہٕ نٕندرہ — اسہٕ وچھنہٕ آسہٕ پہٕ وتھرالہٕ ڈلہٕ
کرنس کھوژان —

پٕنٕ زوہ پہٕ گردن میانہٕ کوچھہٕ منز تھاوتھ آسہٕ تمسندر دوہ زلزٕلہٕ ژٕلٕ
ژٕلٕ صرف یہٕ اکھ کنھ وٚنان — "یہ زوٕن کیازہٕ تیز تیز لوسان" ؟ ڈیکہٕ
سلاوتھ — دوہ زلین وٹھن سٕنتہٕ پٕنٕ ہوٚکھ منٕ وٹھ تھاوتھ — اُچھ
بندکٕرتھ — اوس سس بہٕ وارٕ وارٕ وٚنان —

"بیٕرزوٕن چھ آفتابچہ مایہٕ تیز تیز لوسان — مگر صبح واتھ چھ اُمس
کٕرتان — زٕ صبح پھوٚل آفتابہٕ کہٕ خاطرہ — تہٕ راتھ لوس میانی خاطرہٕ
— تٕیٕ —

تھی۔ ہر کوئی اُسکا گرویدہ تھا۔ وہ ہمارے گھر بھی آتی جاتی تھی۔ میرے ساتھ لوٹتی جھگڑتی، خفا ہوتی اور خود ہی مان جاتی۔ لیکن جب کبھی اُسکا غصہ نہ اترتا ــــ تو کہتی ــــ تو کیوں مجھے چھیڑتا ہے۔ دیکھ ابھی تجھے پٹوا دوں گی۔ تیری شکایت امی جان سے کر دوں گی ــــ" میں مسکرا کر اسکے پیچھے بھاگنے لگتا ــــ وہ انگوٹھا دکھا کر ماں کے کمرے میں چلی جاتی۔

ــــ وہ میری ماں کو امی جان ہی کہتی تھی۔ اُسکی اپنی ماں مر گئی تھی ــــ میری ماں بھی اُسے بہت چاہتی تھی۔ بہت پیار کرتی تھی۔ بالکل اپنے بچوں کی طرح ..... مگر وہ دن منحوس تھا۔ عجیب سا تھا۔ میں نے ماں کا دوسرا ہی روپ دیکھا۔ ظالم اور بے رحم روپ۔ وہ روپ جسکا مجھے اور شاید رخسانہ کو بھی گمان نہ تھا۔ اچانک ماں بے حد تلخ لہجے میں رخسانہ سے کہہ اٹھی ــــ "تم یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ تیرا گھر کیا جل گیا ہے آئینہ ہمارے دروازے کی طرف دیکھا بھی۔ تو میں تیری ٹانگیں توڑ دوں گی ــــ"

"مم..... مگر....." رخسانہ کچھ کہہ نہ سکی۔ آنسو بھری آنکھوں سے میری ماں کو دیکھتی رہی۔ دفعتاً میری ماں نے مجھے حکم دے کر کہا ــــ "نکالو ــــ اسے باہر ابھی اور..... اسی وقت۔ میں اسکی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی ــــ"

والا تھا۔ کہ وہ بے بسی سے مجھے دیکھتے ہوئے واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ یہ۔۔۔ یہ تبدیلی۔۔۔۔ ماں کا بدلا ہوا رویہ۔۔۔۔ کل کا پیار۔۔۔۔ آج کی نفرت۔۔۔۔ یہ حقارت ——— یہ سب کچھ کیا ہے۔ ماں نے ایسا کیوں کیا۔ رخسانہ کا قصور کیا ہے ——— ؟ میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میں ان دنوں چھوٹا تھا۔ نا سمجھ جو وہ پندرہ سال کا۔۔۔۔ اور رخسانہ مکمل جوان ———— !

وقت گزرتا گیا۔

میں بڑھتا گیا۔ میرا شعور بالغ ہوتا گیا۔ میں بہت سی باتوں سے باخبر ہو گیا۔ مجھے سمجھا دیا گیا۔ رخسانہ سے نفرت کرنا کیوں ضروری ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ اُسکا قصور کیا ہے۔ وہ شادی سے پہلے ہی ایک بچے کی ماں بن گئی تھی۔ ناجائز بچے کی ماں ———— ہمارا سماج سب کچھ معاف کر سکتا ہے۔ مگر یہ گناہ نہیں ———— یہ سنگین شرم ناک حرکت نہیں۔ اکثر لوگوں کو یہ شکایت بھی تھی۔ کہ وہ کیوں اُس ذلیل شخص کا نام نہیں بتاتی جسنے اُسے داغدار بنایا۔ اُسے برباد کیا ——— وہ۔۔۔۔ وہ ذلیل شخص کون ہے۔ ؟

اسی دوران رخسانہ بیمار ہو گئی

محلے کے مرد، عورتیں، نوجوان۔۔۔۔ غرض سبھوں نے اپنی اپنی

جگہ خوشی کا ڈول پیٹنا شروع کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے وہ سب رخسانہ کے مرنے کے خواہاں تھے۔ مر جائے گی۔ بھلا سے چھٹکارا ملے گا۔ محلہ ناپاکی اور گندگی سے پاک ہوگا۔ اور شاید سماج کا کوئی خاص مقصد بھی .....

رخسانہ کے کردار کو میں بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ مجھے بھی اُس سے نفرت تھی۔ مگر نفرت کا مطلب یہ نہ تھا۔ کہ اُسکا وجود ہی ختم ہو جائے۔ ایک رخسانہ مرتی ـــــ دُوسری رخسانہ جنم لیتی۔ یہ آنا جانا آدم کے وقت سے چلتا آیا ہے۔ نام بدلتے گئے نشان مٹتے گئے۔ یادیں بنتی گئیں۔ مگر گناہ ـــــ گناہ کا انداز نہ بدلا۔ گناہ وہی ہے۔ گناہ کا آغاز وہی ہے۔ گناہ کا انجام وہی مگر وہ اور بھیانک ہے اور گناہ کرنے کی انسانی فطرت وہی صدیوں پرانے وحشی درندے کی سی ہے۔

رخسانہ میری بہن ـــــ!

البتہ لوگوں نے کہا۔ موت کے دہانے پر ہے۔ کل پرسوں تک ضرور مر جائے گی۔ دوسرے دن میں کالج سے آرہا تھا۔ بڑی دیر ہو گئی تھی۔ ہر طرف پراسرار خاموشی اور بھیانک اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ مجھ جیسے کمزور دل انسان کے جذبات اندھیروں میں ہی ابھرتے ہیں۔ دنیا کے خوف سے جو میں دل کی تابناک روشنی بجھا نہیں سکتا۔ وہ میں

ـــ اندھیرے میں کیا۔ میں کسی انجانی قوت کے زیر اثر رخسانہ کی
جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔

لالٹین کی مدھم روشنی میں وہ بیٹھی کچھ گنگنا رہی تھی۔ مجھ پر نظر
پڑی۔ چونکے بغیر ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ لئے مجھے گھورنے لگی میرا
دل دھڑکنے لگا۔ میں گھبرا سا گیا اور اپنی حالت پر قابو پانے کیلئے میں نے جلدی
سے کہا۔

"رخسانہ ۔ ۔ ۔ میں ـــ میں تمہاری خیر و عافیت پوچھنے آیا
ہوں۔ کیا حال ہے اب صحت کا ـــ"

"صحت ـــ!" اس نے ہونٹوں کا زاویہ بدل کر طنزاً کہا۔ "
تجھے کیا دکھائی دیتا ہے ـــ؟"۔

"مجھے ـــ مجھے اسکے چہرے پر بیماری یا پریشانی کی کوئی
علامت دکھائی نہ دی۔ بھرا بھرا چہرہ، رنگ گلابی نہ بیمار دل کی طرح
زرد، ہونٹ سوکھے ہوئے۔ مگر تراش خوبصورت اور وہ بڑی بڑی
آنکھوں میں پُراسرار خاموشی ـــ یہ خاموشی حسین تھی۔ مگر مجھے
بدصورت اور بھیانک سی محسوس ہوئی۔ اس خاموشی نے میرے جذبات
میری ہمدردی کے احساس کو جیسے بے قرار کیا۔ میں بڑی اپنائیت سے
کہہ اٹھا ـــ

"رخسانہ تم نے کیوں اپنی زندگی تباہ کر لی ـــ تم کس کیلئے تنہا ہو"

"پھر بتا و میرا قصور کیا ہے - میں نے بھی تو محبت ہی کی تھی - تم سب جیسے بھولے بھالے شریف صورت ماسٹر جی سے - وہ سامنے والے سکول میں پڑھانے آتے تھے - مجھے اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے - ایک شام باتوں باتوں میں اس نے کہا — کل تیار رہنا میں تجھے اپنے گھر لے جاؤں گا - میری ماں اور بہنیں تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں -

اگلے دن میں سج دھج کر گھر سے نکلی - ماسٹر جی نے مجھے ایک بوسیدہ مکان میں پہنچا دیا - مگر اس مکان میں نہ تو ماسٹر جی کی بہنیں ہی تھیں اور نہ اسکی ماں مجھے دکھائی دی - مجھے نامعلوم سا خوف محسوس ہونے لگا - میں نے گھبرا کر باہر نکلنے کی کوشش کی مگر ماسٹر جی نے میری تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا - مضبوطی سے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر میرا منہ بند کر لیا اور اس طرح میں اسکی ہوس کا شکار ہوتے ہوتے بے ہوش ہو گئی - کافی وقت گذرنے کے بعد جب میں ہوش میں آئی — تو اس کمرے میں صرف ہم دو تھے "

" اور — " میں اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا چیخا — " اور کون تھا اس کمرے میں — ؟ "

وہ اپنے آنسو پونچھ کر آہستہ سے بولی - "ماسٹر جی کے دوست - ایک نہیں دو نہیں — برابر پانچ دوست — وہ سب اس گناہ میں شریک تھے - اب تم ہی کہو میرا لال کس کا بیٹا ہے - مجھے لگتا ہے دنیا کے تمام مرد اسکے باپ ہیں — کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی میرے بچے کا باپ ہی نہیں — "

کیتوز ونک

سیّد یعقوب دِلکش

پوشہ چنس پیش پھولہ لنس تیار، کیتھہ پھولی منتو — وادہ گرالو
سیتو ژھالہ ماران
کینژو کار ہیوکن کرمژ - آفتابہ کین ژدن پیاران —
کینژن حیاتہ شرمہ سیتو کار ہیچ گامژ — اُڈی وہ ژلو، اڈی نید،
تہ کیتھہ سفید — وہ ژلین وہ ژجاس بیٹھ ناز، سفیدن تہ زردن پیہ نس
شُس زنگس بیٹھ — شبنم پھیری آفتابہ چو ژدو سیتو شب چراغکو پیٹھ
زوتان — شبنم پھیرو سبز مخملس بیٹھ ہو کھ نس تیار - نب آہ پوٹ ہیو -
آفتابہ چو ژدو نس سنگار کو مت — نب مہرانہ ہیو تہ زمین مہرو ہش
آمژ سجادہ -

زون سامین نظران نش ثعایہ — آفتابس دور، سبھاہ دور
— زون انہ گٹہ پرہ ژھنین گاش ہاوتھ منزلس واتہ ناوان — تہ

صُبح پھولہ بیٹیہ نوُی گل پھولن ـــــ

وادہ ژھٹہ سیتہ نظر میاٗنی گل دُیہ رس پیٹھ ژھینی - پوشہ وُتھرن تھاٗر لجُی ـ وادہ ژھٹہ سیتہ کلین کیٹین دِنن گیہ ـــ واد گوہ وشوٗرمٕ ـ چمنس وڈتھ ماتم ـ بلبلن گلس سیتہ نالہ موٗت کوٗد ـــ یہ گوہ دنہ واد ـــ یہ گوہ دگٹہ کار ـ پوشہ وتھر گردہ منز ـ گلو لنجہ گردہ منز ژھٹہ ژھوٹ کران ـ سبز بوزہ پنہ وُتھر لونہ سیتہ ڈیکس ژنجہ دوان ـ

یتھ وادہ طوفانس منز کُس کُس کمہ انتظار ؟ ـــ

مگر میس یمٕ سُندا مار آسہ ـ سُہ یمن وادہ طوفان کیاہ کھوژہ ـ

اٗ کیاسہ کُنہٕ زوٗن انتظارس ـ دُچھنس اتھ منز ہمش کاغذ پرچس پیٹھ پنہ دُلک چھاپ ـــ اُمی سُندد لے قرار ، زلوہ پیٹھ اقرار اچھن منز انتظار ـــ دِتھا ڈہ پھلہ گوہ لابکی پاٗ ٹھوٗ در فدالس ـ کاژدُ مس اوہ یوٗ استقبالہ کرِ ڈیکس سجاوان ـــــ

وتھ خاموش ـ دلہ چہ گرہ دُیت تمی سنہ لوٗک الارم ـ سوہ وآٗز اس نہ دیک ـ بالکل ذیب ـ اُرس وٹھن لج تھرٗ اچھن پھر سوہ رخی ـ دلچ گرٗ گیہ بند ـــــ

ادہ سوہ پنہ پنیر زل اتھ دآٗرتھ ، پنہ روہ پہ گردن نوٗمہ لآٗوتھ ـ کرِ ہنین چشمن کرہ ہنین ٹاہین ہُند پیدہ تھآٗوتھ ـ پنجرس منز اُکس جالوزہ ہندی پاٗ ٹھوٗ

ہتین ہنز لوچھہ ژلہ ناوہ — ژوہ پاری پنلس چمنس، خوشی، ہمدردی تہ ملہ ژاوُک سگ دمہ۔

یمہ گیہ ہنہ پچھے کہ یکہ۔

تُمس حنت۔ ژے جہنم دُنی یہسے منز۔ تمی سندس کرِوس ژہ انگس بدلے تیل دُزان — یمہ کہ گاشہ سنتے ازکل ساری کتابہ پران چاہ نُوہ سنتے میکہ نہ اکھ حرف تہ کاتھہ پُرتھ۔ چانس کرِوس ژانگس دُم گاہ ژمز۔ تمی سُند ژونگ پیہ نہ آمُت —

اپُز — یہ چھُ اپُز۔

تناو تمن دھن پوّت ژھائن پیٹھ نظر۔ ژے روُہ سنتے ساری سے پانس لیٹھ گومُت — ادہ سو

تُمس شان پیٹھ کہ ہُن کوٹ بتھ پیٹھ تمی سُند کھوُر اتھہ — چھُترہ مُند سایہ تمی سندس کلس پیٹھ۔ یئی سندس اتھس منز — — — !

نوٹ :

بلند ذوق خاتین سے ہماری یہ مخلصانہ التجا ہے کہ وہ اپنی قیمتی رائے سے ہمیں نوازیں —

★ مشتاق احمد [illegible] وہ ٹینگ رعناواری سرینگر)

★ میر بشیر حسین اکشی (شنکری کلاں نادسرینگر)

★ غلام نبی شاہد (تاج آرٹسٹ خانیار سرینگر)

اور بڑھنے لگتے ہیں .... جس کی گرد آلودہ دیواروں میں میرا ماضی دفن ہے .... آج میں بہت اُداس ہوں ـــــ اسلئے میرے قدم اُس چھوٹی سی کی اور بڑھنے لگے ـــــ میں جوں جوں چھوٹی کے اور بڑھنے لگا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ماضی کا بپھرا ہوا سمندر مجھے نگلنے کے لئے بیقرار ہے ـــــ آج میں ماضی میں کھو جانے کے لئے تیار ہوں ... کیونکہ آج میں بہت اُداس ہوں ..... اچانک تند و تیز لہریں مجھے ماضی کے بپھرے ہوئے سمندر میں ڈبو دیا .. اور میں نیچے بہت نیچے چلا گیا .....

اُن دنوں میری پوسٹنگ دہلی ہوئی تھی ..... پہلے پہل میں دہلی کے نئے ماحول نئے لوگوں اور خاص کر گرمی کی حدت سے کچھ اُکتا سا گیا ... لیکن چند ہی دنوں میں مجھے ایک ساتھی مل گیا ..... اور میں اس نئے ماحول سے مانوس سا ہو گیا ـــــ یہ ایسا ساتھی جس سے میں نے کبھی بات تک نہ کی ... جس کا نام تک نہ جانا ... جس نے میری طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ..... اُسے دیکھ کر میرے دل میں ایک غیر معمولی ہمدردی پیدا ہوتی تھی .... میں ہر روز تقریباً میں اسکا ہمدرد بن کر اُس سے باتیں کیا کرتا تھا ..... ہاں وہ بڑے پل کے اس پار بائیں طرف فٹ پاتھ پر اپنے پھٹے ہوئے ڈبے کا ایک حصّہ پھیلائے ہر آنے والے کے چہرے پر اپنے مستقبل کا دھندلا سا عکس دیکھتی رہتی تھی ـــــ لیکن ہر آنے والا قریب پہنچ کر پھٹے ہوئے ڈبے پر ایک سکہ پھینکتا ہوا چلا جاتا تھا ..... میں نے اُس کے

میرے دل نے اُسے کبھی بھکارن کے روپ میں نہیں دیکھا ..... بڑی بڑی کالی آنکھیں جن کی خاموشی ساگر کی طرح اپنے اندر نہ جانے کتنے طوفان چھپائے تھیں ..... مرجھایا ہوا معصوم چہرہ ... گردش کی چکی میں پس کر پت جڑ کے پتے کی طرح سوکھ چکا تھا .....

—— وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ درد بھی بڑھتا گیا ..... ایک کسک تھی ... ایک چبھن تھی ... ایک تصور تھا ... جو بھکارن کا لبادہ اوڑھ کر کبھی ہمدردی کی بھیک مانگا کرتا تھا ... اور کبھی افلاس کا لبادہ پھینک کر میرے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتا تھا —— آخر دو سال کے طویل عرصے کے بعد میری پوسٹنگ واپس سرینگر ہوئی ... لیکن میں اُس بھکارن کی کسک - درد - اور چبھن کو بھلا نہ سکا جس تصور - درد - اور چبھن کے سہارے میں نے دو سال کا طویل عرصہ ایسے گذارا جیسے میرے ساتھ میرا کوئی ہمدرد تھا —— ہم زبان تھا —— ہم خیال تھا .....!

آخر میں نے اُس بھکارن کو اپنے ساتھ سرینگر لے جانے کا فیصلہ کر لیا ..... اُس نے میرے ساتھ آنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ جب میں نے اُس سے یہ کہہ کر اپنے ساتھ آنے کو کہا کہ "تمہارے گھر میں ایک ملازمہ کی ضرورت ہے۔ اگر مناسب سمجھو" —— ! اس سے پہلے میں کچھ اور کہتا اُس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں میرا بغور جائزہ لینے لگیں۔ جیسے جو کچھ میں نے کہا تھا اُس کا پس منظر میری آنکھوں میں دیکھنا چاہتی ہو۔ اُسکی آنکھیں

اپنے وجود کا احساس ہی نہ ہو۔ آخر دو اشک کے قطرے آنکھوں قید سے آزاد ہو کر خاک میں مل گئے ـــــــ ..... اپنا سر میرے قدموں پہ رکھ کر زار و قطار رونے لگی ..... میں نے لرزتے ہاتھوں سے خط، ہاتھ پہ پھیلے ہوئے ڈوپٹے کو سمیٹ کر اس کے سر پہ رکھ دیا۔ ...!

..... راستے میں نجمہ سے ایسی کوئی بات نہ ہوئی جس سے اس کے ماں باپ یا خاندان کا پتہ چلتا سوائے نام کے ـــــــ گھر پہنچ کر میں نے ماں سے یہ کہہ کر نجمہ کو ملازمت دلوائی کہ یہ وہاں میرے ایک دوست کی ملازمہ تھی ..... لیکن وہ کافی عرصے کے لئے ملک سے باہر گیا ہے ..... اس لئے میں اسے یہاں تمہاری دیکھ بال کے لئے لایا ہوں ـــــــ تین مہینے کے تھوڑے ہی عرصے میں نجمہ گھر کے ہر فرد کے دل میں گھر کر چکی تھی ..... جس کی زبان پہ دیکھو ایک ہی نام ..... نجمہ ـــــــ نجمہ کے بغیر ہر کام ادھورا تھا ..... ہر انتخاب ادھورا تھا ..... نجمہ کے اخلاق و اطوار دیکھ کر ہر ایک اسکا گرویدہ ہو گیا تھا ..... سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماں نجمہ کو بہت پیار کرتی تھی ..... میرے تصور کی وہ بھکارن جو کبھی افلاس کا لبادہ اوڑھ کر ہمدردی کی بھیک مانگا کرتی تھی ..... اب وہ بھکارن کا لبادہ پھینک کر میرے دل کی گہرائیوں میں گم ہو چکی تھی ..... میں نے محسوس کر لیا تھا ..... نجمہ کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے ..... ویران ہے ..... میرا اٹل فیصلہ تھا۔ میں ماں سے کہہ کر اس تصور کو حقیقت کا لبادہ اوڑھا کر اپنی ایک الگ دنیا بساؤں گا۔ جہاں نہ قریب ہو گا ـــــ نہ بناوٹ ہو ..... جہاں

کوٗت دوتس ہٕ — "لیٚمبی تٔرٕلیش چھنٛد تہٕ مرٕمنٛے —
ژھوٚ رٔوے آب چھنٛد تہٕ مرٕمنٛے"

پنٛد کیٲذہ لکھ ٹوکرہٕ منٛز سجٲوتھ تٔرٕلیشہٕ ہنٛد ہٕنٛرہ اُچھ
دٔرٕس لاگان ہٕ — کیٲذہ ؟۔

اوہ یہ ما دوتس کرٲلہٕ ہٕنٛدس دُکانس نٔش — آ —
کرٲلن اوس جھیرہٕ ہُنٛد ٹلی چہٕ ڈبکہ چھنٛ گٹنٛ سیتٹ لوگمٹ —
سلام کرٕنٛ تٔرٲوہٕ ہے سٲری ہے وانس بیٹھ نظر —

"وٲرکنٛہٕ — شوبہٕ وٚنی تہٕ لوٗبہٕ وٚنی — شُراہ اُچھ لجہٕ ژھانڈنہ"
ہُڈہ کرٲل دوٚنٛ تھوٚد تہٕ المارہٕ منٛزہٕ واچھن سارٚمبی وارہٕ تہٕ
تٔرٲوہٕ ہے یہ وہ نہٕ کنٛہٕ۔

"کنٛہٕ دوغنی گوٚل گوٚل وارہٕ — رنگ یرنگین —
کم نقش — یُمبرزٕل پوش تہٕ یاسمن تھٕرہٕ"

یہٕ وچھنٛ نیہٕ وُچھن کرٲلس اُچھن پُٹ گنٛڈنٛ۔

ہوکہٕ ری مزٕ رنگچ وٲر — وہ زُل دمانہٕ کرٕنٛ — نہ ہوہ —
دوہ زٕج وٲر — یاسمن تھٕرہ کرٕنٛ — نہ ہوہ وٲر — یمبرزٕل چشمہٕ
کرٕنٛ — تیٹلہٕ ہوہ آنہٕ ہٕش — یٕنٛ بیٹھ میٹون بُنٛ چھُ پوان
بوزنہٕ — تیٹلہٕ سارہٕ مُی نہٕ — آ — مگر — ہے تٔرٲوہٕ لوتی
چندس منٛزا تھٕ — سارٚ باہ آنہٕ آسی شروہٕ وٚ شروہٕ وٚ کران۔

"قومن فرض کرٕنٛ اَلو اسی تٔرٲوہٕ زیرٲوٲر — شوبہٕ وٚنی تہٕ لوبہٕ وٚنی —

ہے نیو شرارتہٕ سان وُنٹھ — دُجِ کتہٕ ؟ —

تمٕ رنہٕ یکدم دستار لونٹھ وٲلٹھ تہٕ لوٗگ وادہٕ وادہٕ گرد وتھراوتہٕ گرد وتھر آدِتھ باسیو ہے لوٗ وُے عالِماہ ۔ شُش رُنگس پیٹھ زدِد وٲر گیہٕ میانِس مَنَس تِرتھ ۔ "یہٕ چھُ اپُر — پوٗزکیاہ چھُ ساڈ باہ آہٕ"

اُچھ وُٹھ کرٕ ہے وادہٕ دُچھنہٕ اتھ تھچھ تہٕ لوٗگس کرٕ الس معول پرٕ ژھنہٕ ۔ اما پوٗز کرال لوٗگ اچھن منٕز اُچھ ژھنتھ کیاہ نام ونہٕ — اُچھ لجہٕ کتھ یوزنہٕ —

"یہٕ چھ میانہٕ ژوٗچہ منز آدیخ وٲر — ہو کھنہٕ موکھہٕ اس ہے یہٕ وٲر تالیس تراوِتھ — یہٕ اوسس گہٕ دٲلمت — گنی رُودہ ہانٹھ لاجن ۔ میانہٕ اتھ وادہٕ اس رب گژھنس تیار زہٕ یہٕ دوٗلس — تتہٕ بیٹھ پرُس نام دوت ہے وادہٕ مرمت کران — یہٕ چھُس حٲران —

"تہٕ ہے کتھ کرٕ ینتھ یہٕ وٲر ۔ ہیچ وٲر"

ہیے تر دو جل یہٕ اتھ چندس منز ۔ ساڈ باہ آہٕ کونس منز ژور اُچھ گیہٕ الگ — "دوہ نو کیا ہز چھُ دیُن ؟ — کہٕی نہٕ"

"چون دیُن گو ولس یہٕ زہ — ژہ تھا وکھ یاد"

وٲر پھٹ — یہٕ پھٹس — وٲر وٲر یہٕ دوٗس"

سفید دجہٕ مُہند گنڈ کرٕ تھ رُتج ہے بیٹھس منز وٲر تہٕ دوٗلس گرہٕ

"دیر وار کنیز ۔ شوہر ونی تہ لوبہ وزی ۔ شراہ اچھ گیہ
ند ۔ !"

ہمے آس تمہ دوہ ہہ گل قند برتھ وار ۔ ستلہ گنڈ گیہ
ڈبہ ہندس دندس تاپس اویزان تراد ہژ ۔

از آس ہے بابر دہن دوہ ہن ہژ کار بوون واجہ ژ ۔ از
آسی سادی سالس گاہتی ۔ نبھف راتھ آس ۔ ہہ
گوس مژہ نندرہ تھود دھتھ ۔ یہ ٹھس کتھ گووہ ۔ شمع
زالتھ وچھ ہے وار آس لبہ پے ژ ۔ مگر یتھ گلقند خمیرہ
کیاہ کنی لوہ کھر گاہ ژ ۔ پھکہ گاند ۔ ہے پھوٹ اوش ۔
"میانس لولس کی کہ چھلہ تہ پھلہ" ۔ وارہ ۔ "میانین پوشہ
باغن کی ژون زار" ۔ یمہ وارہ ۔ آ ۔ یمہ وارہ ۔ !
"از ہہ یہ یتھ وارہ چھلہ تہ پھلہ کرتھ ۔ ہے نیو یکدم طاقچہ پیٹھ
مار لوہ وآلتھ ۔ یہ اوس دب تراوس تیار ۔ کرالہ شژ آواز
گیہ مار تورس تھچ کرتھ ۔
وار پھوٹ ۔ یہ پھٹس
وار آو ۔ یہ روس"
پھٹن کس پھٹہ ۔ زاون کس راوہ ۔ میانی سارے محنت گیہ ضایہ ۔
میانین شوقن ۔ ارمانن ۔ ہاوسن ۔ . . . . .
یہ اوس دب تراوس تیار ۔ امالوز شہ حکم گاش اوس وارہ نیزو تر لو

مگر اس ٹھٹھرتی سردی میں یہ خط میرے پاس کون لے آیا۔۔۔؟۔۔ کون ہے وہ
جس نے مجھے اپنے ہمدرد۔ عزیز دل۔ دوستوں۔ رشتہ داروں کے دکھ درد
سے آشنا کیا ہے ۔۔۔۔؟۔۔۔ کون ہے وہ۔۔۔۔؟ ہاں۔۔۔ رام لعل کے سوا
اور کون ہو سکتا ہے ۔۔۔۔۔ ایک ڈاکیہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ۔۔۔ میں کتنا
خود غرض ہوں۔۔۔ میں ہی نہیں خود غرض ہر وہ ایک ۔۔۔۔ جو رام لعل جیسے
ڈاکیہ سے خط لے کر کبھی یہ نہیں پوچھتا۔۔۔ کیا کوئی تمہارا دوست، عزیز،
رشتہ دار کوئی ہمدرد تم سے دور ہے۔۔۔ اگر ہے۔۔۔ کیا کوئی ہے جو تمہیں
اُن کے دکھ درد سے آشنا کرتا ہے ۔۔۔۔ کیا ڈاکیہ ہوتے ہوئے بھی نہیں ڈاکیہ
کا انتظار نہیں رہتا ۔۔۔۔۔۔۔ نہیں ہم سب مر چکے ہیں ۔۔۔۔ کیونکہ ہم
صرف اپنے لئے جیتے ہیں۔۔۔۔ نہیں میں زندہ ہوں ۔۔۔۔ میری رُوح
زندہ ہے ۔۔۔۔ یہ الفاظ اپنے آپ سے بڑبڑاتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا۔۔۔
اب جب بھی رام لعل ڈاک لے کر آئے گا۔۔۔۔ میں اُس سے ضرور پوچھوں
گا۔۔۔ رام لعل تمہاری پھیکی مسکراہٹ کے پس منظر میں ہزاروں پھیکی تحریریں
پوشیدہ ہیں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ رام لعل کیا کوئی عزیز دوست۔ ہمدرد تم
سے دُور ہے۔۔۔ رام لعل تمہارا ایک بیٹا تھا۔۔۔ جس کو تم نے ڈاکٹری
کی تعلیم مکمل کرنے کے لئے ولایت بھیجا تھا۔۔۔ وہ واپس نہیں آیا۔۔۔ رام
لعل تمہیں اُس کے خط کا انتظار نہیں رہتا۔۔۔۔ رام لعل تم ایک ڈاکیہ ہو۔ زمانہ
ہوا تمہیں لوگوں کے دروازوں پر دستک دیتے ۔۔۔۔۔ رام لعل کیا تمہارے
دروازے پر کبھی دستک ہوئی۔۔۔۔ کیا تمہیں ڈاکیہ کا انتظار نہیں۔۔۔۔

تجھے معلوم نہیں لوگ کیا کہتے ہیں۔"

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں"۔ رخسانہ کا لہجہ ترش ہوگیا — "تباہی میرا مقدر تھا۔ میرا مقدّر —"

"مگر کیوں —؟" میں نے بات کاٹ دی اور سخت لہجے میں کہا۔

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو۔ تم اس ذلیل شخص کا نام اتنہ پتہ کیوں نہیں بتاتی۔ جس نے تمہارا جیون برباد کیا۔ تمہارا مستقبل داغدار بنایا — بتاؤ۔ بتاؤ — وہ ذلیل شخص کون ہے۔؟"

رخسانہ کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے بھر گئے۔

ٹھنڈی سانس لیکر مجھے گھورنے لگی۔ پھر بے ساختہ بول اٹھی —

"سننا چاہتے ہو — سنو — وہ شخص، وہ کمینہ — وہ ذلیل انسان تم ہو — تم — تم نے مجھے برباد کیا۔ تم میرے بچے کے باپ ہو —"

"کیا —؟" میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ ایک لمحہ کے لئے میں سکتے میں آگیا۔ خوف اور دہشت سے میرا جسم کانپنے لگا تھا۔

"بدمعاش — مکار عورت پاگل ہوگئی ہے۔ دیکھو تو کیا کہتی ہے۔ مجھ پر جھوٹی تہمت لگاتی ہے۔ اگر کسی نے سُن لیا — نہیں — نہیں یہ جھوٹ ہے۔ مجھ پر جھوٹا الزام ہے — میں گھبرا کر الٹے پاؤں لوٹنے ہی والا تھا کہ رخسانہ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی "بیٹھو"

آگے نہیں بڑھا سکتا — آگے بڑھا تو دھرتی نہ رہے گی — آسمان نہ رہے گا۔
میں نہ رہوں گا۔ میرا وجود نہ رہے گا — کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کچھ ملیا میٹ
ہو گا — جانے یہ کیسی بے بسی تھی۔ میں سمجھ نہ سکا۔ اچانک اس کی ہنسی
میرے کانوں میں گونجی — طنز آمیز ہنسی —

"تم ڈر گئے۔ میں جانتی ہوں تم سب مرد بزدل اور احمق ہو۔ پھر آئے
ہی کیوں یہاں۔ ہمدردی جتانے — میں نے تم جیسے بہت سے ہمدرد
دیکھے ہیں۔ مگر تمہیں — تمہیں کیا ہمدردی ہے مجھ سے — بولو — ؟"
میں کچھ نہ بولا۔

وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چلا اٹھی — "چپ کیوں ہو گئے۔
کہو — کیا ہمدردی ہے تجھے — ؟"

میں پھر بھی خاموش رہا۔ اس کے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا
میں احمقوں کی طرح اس کا چہرہ تکنے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبنے
لگی تھی۔ پھر اچانک اس کے ہونٹ تھرتھرائے — اس نے گھمبیر آواز میں اچانک
پوچھا — "کیا محبت کرنا کوئی پاپ ہے"

"نہ — نہیں!....." میں نے بڑبڑا کر جواب دیا۔ وہ مسکرا دی۔
عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ عجیب سا طنز بھرا قہقہہ تھا۔ عجیب سا زہر بھرا
لمحہ تھا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنی بیچارگی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس احساس
نے مجھے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ میں چیخ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ

توے آفتاب — "دھہ" — زون "ناڑ" گڑھی نہ میکل۔
بلبل دوبہ چمبس مدے گنڈھ وچھان — شاید اڑلس فال تماوان
نہ گل سبز پنہ وتھرن مندنقاب بھتس پلیٹھ تھاونہ انتظار کی بہ نز گنڑ راوان
گل دیہر پھولمت ، اڈی شہلس درخذایس ، بس دیہر کس
انتظار س ، توے افتاب اچھ پھری پھری وچھان
اکھ بلبل ساتہ دیاسی چمبس منز زامت ۔ خلوخ پاٹھ پوشہ لنجو ٹلی
گلس ستی اچھی تھپس گندلس منز مس ۔
ماچھ تلہ پوشہ ٹوہ پتہ ٹوہ پھیرتھ خوشی ہندی نغمہ گیوان ۔ ماچھ
تلہ میوٹھ تہ موٹ در سہ ٹھلی بڑمڑ باغوان سبز سروہ گلس تل ڈوکھ
دتھ پھتھ ۔ م می سندس بھتس پلیٹھ اسن گیئہ — "یہ بونہ شیہارس
گئے زون" — نظرہ میانہ گل دیہرس پلیٹھ ۔ سہ تہ یہ دیہر کسل تھاونہ
سہ خوش ۔ بہ دران — دائے دیہر گوڑھ نہ ین ، درخ گوڑھ
زیھن — مگر درخ کتہ کہہ انتظار ، دیہرس گل دٹہ اچھی ، بلبل
کہہ ماتم بہ پا — ماچھ تلہ تلہ دور — سہ ٹھلہ دور —
سوز پتہ تارہ پین ژھینھ — باغوانس تھر خم گڑھہ — پوشہ وتھرن
پنہ وتھرن تھار اڑہ — خاموش ماتم گڑھہ ژہ پاری چمبس منز بہ پا
— نہ آسہ آواز — نہ آسہ کر بکھ — دم پھٹی اسن ساری ۔
— انھ کس سنہ ؟
سنہ سہ لیس بہ دود نانہ — افتاب پتہ دوہ کھ لدن دل تسلی دیہ

کرہن مس کرہنس ڈیٹس تل در فذالیس - دُچھنہ طرفہ لدہ پہ گردنہ بیٹھ اکھ
سیاہ لکھچن ، گول اسٹے شن کرانکی پاٹھ چمکان -
یمس کاغذ پرچیں عارفہ سنتی میٹ گاہتر - پننہ دلک چھاپ مٹا وہ آمت
کاغذ پرچیں دلک نقشہ دوہ تھہ لس سنتی ژرچ سو دوڑ - سٹھاہ دوڑ
وادہ ژھٹہ سنتی آوگل کنڈن منز لابنہ - گل تہ بلبلہ سد نالہ موت
گوہ وژھنہ - گلہ سندن وٹھن پٹھ بے وفائی ہنزہ کرکہ - بلبلہ
ہنزن چشمن منز اوش بکہ -
گل بلبلس وتان - "ژہ چھکھ بزدل" - بلبل انکارس -
"دلوس گوہ وتہ خوش سون میل - لوے ژہ کنڈن منز بہ کنڈن گتھ گران

دزہ ملکونہ گگرالو کوڑ اتھ واس - نبس مہاناز کی جامہ آیہ ژٹنہ نبس
تہ زمینہ منز باگ اکہ کہ مہنہ اوپر وک دلوار
روڈہ شراتہ لجہ زمینہ مند سنگار چھلنہ - روڈہ پرروڈہ شراتن
مند نقشہ یاوان - چنکو پوشہ وٹھر ربہ مند کفن ولتھ ——

اہ سو یمن رودہ شراتن منز دوہ دوہ تمی ہنزن پوت ثھاین مہتی
کتھ کران - سو دوڑ دیر نزدیک ——
یلی کران وخ ضایہ - یمن روڈہ شراتن مند بوڈ نس پرواے -
تل پننہ تہ چشمو پیٹھ پاک مجتنک پردہ تہ دچھ -
تم منز لس واتہ لس تیار - ژہ سو درس منز دلنہ آمت - ژہ چھکھ
بزدل - چانہ نادہ کہ نہ گاتھہ اتھ لوٹ - چانی نادچھ احساس تو

سنۍ ښځه - انځور کښل لږه لنګه ـــ؟ پهاڼه ناوې په احساساتو نمښتو ـ ادې پرښتو کا نهه چاپېرو ناوې وسه ـ

زنان چهه سیمابک ډیر ـــ مرد چهه دزه وُن نار ـ یمن دوه ن میلنګ انجام چهه نار ته سور ـــ

تماویمه سارے پوزه ته تُل پنه تمو دهڼو پیچهه حیا ته شرمه مُنډ پیدا ـ وچهه یه چهه سوُرے غلط ـــ سوه شرم حیا ئس کتره لوړ ـ؟ مِنس دلچ منګ کیاه ـ؟

اسوه شاه ماده شُندی پاڼهڼو ده پښې زاګه ـ تمو تهذیبک ژونګ فاشنه سنۍ ژهبته کوړمُت ـ مِنس تمو سندس مِنز فاشنګ نه لالچه مُنډ ژونګ گهه تراوان هرګاه ژبه نه آسه هغه شرم ته حیا ک نقاب تمو سندس ذهنس تلمُت سنۍ ژبه پوښپړی شُندی پاڼهڼو ازکل گنهه آرسهی کران ـــ ژهوه په ـ

مه کښتس کالس ـــ؟ روزګه ژه یه تماشه وچان ـ

یه ژونګ چاپېرو ژهوه په کړنه سنۍ گڼهه نه ژهبته ـ ژه یه ژهبته ښکاره نه گڼهه ـ هرګاه دوه ڼهڼو لګاوه الته نارس مِنز ـ کم ګلے گلزار بنے لبنه ـ کم سوسنبل ، کم نرګس ، کم نیمرنل وچهه نبس سنۍ گنهه کران ـ بهُند معصوم ذهن جنته کښ باغ مِنز ساړ کران ـ

نه ـ به ګوره نه یه ـ به یه نار ژهبته کوه ـــ پته پنه وتلران مُنډ نقاب گلګن لاګه ـ احساساتو مُنډ ژونګ پرښتو کا نسه مُنډس مَنس مِنز نالۍ ـــ گلګن ته بُلبُلن مِنز باګ مُنتج شیپهه ادوه پورواتاوه ـ شرمه نه حیا ک گاش ژهه پاڼهڼو ده ـــ تزلیشه تهین نه بوچهه

بوند بوند پیاسی

- غلام بنی شاہد -

اتوار کی ایک شام تھی۔ میں جھیل کے کنارے ایک بجلی کے کھمبے سے ٹیک لگائے نہ جانے کن خیالوں میں مگن تھا۔ ماحول پر پورا سکوت چھایا ہوا تھا کبھی کبھار کسی چنچل پرندے کی شوخ چہچہاہٹ اس سکوت کو توڑتی ہوئی جھیل کی گہرائیوں میں نہ جانے کہاں کھو جاتی تھی۔؟ ... میں خود کو جمالیاتی اس روح افزا منظر میں ڈبونا چاہتا تھا... جہاں ماضی اپنے خوفناک پھیلائے سائے کی طرح میرے ساتھ نہ ہوتا۔ ہاں میں ایسی ہی چند لمحوں کے لئے برسوں بھٹکتا رہا، جہاں میرا ماضی مر جاتا، اور میں ہی زندہ رہتا۔ دفعتاً ایک سوکھی مردہ سی معصوم آواز نے سارے سکوت کو ایک بار پھر توڑا میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہی دو بڑی بڑی معصوم آنکھیں ویرانی لیے میرے سامنے تھیں۔

"پالش صاحب"

"نہیں" میں نے حقارت سے جواب دیا — وہ کندھے اچکاتے ہوئے چلا گیا۔ اس کی بڑی بڑی معصوم آنکھیں بہت دیر تک میرے تصور کے گرد گھومتی رہیں — نہ جانے ان آنکھوں میں کیا تھا —!

..... وہ میرے آفس کے بیرونی گیٹ سے باہر پار والی سڑک کے نکڑ پہ صبح سے شام تک لوگوں کے جوتے پالش کیا کرتا ہے۔ میں پچھلے ڈیڑھ سال سے اُسے وہیں دیکھتا آرہا ہوں ..... اُس کا معصوم چہرہ دیکھ کر مجھے اُس کے وجود پہ ترس آتا ہے ... کئی بار سوچا اُس سے پوچھوں .... تجھے تو کسی اچھے سکول میں تعلیم ہونا چاہیئے تھا ..... ؟ تو یہ ..... لیکن نہیں مجھے اُس سے کوئی ہمدردی نہیں ..... کہاں وہ گندی نالی کا کیڑا اور کہاں میں ..... یہ الفاظ اپنے آپ سے نکلے اونچا بڑبڑاتے ہوئے میں نے خود کو تسلی دی ..... لیکن دل کے کسی گوشے میں چھپی وہی بڑی بڑی معصوم آنکھیں ویرانی لیئے میرے جگر کو کاٹ رہی تھیں۔ "نہ جانے کیوں" ــــ ؟

گھر آکر مجھے اپنا آپ ایک انجانے بوجھ تلے دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ جسم کا رواں رواں تھکن، گھٹن، اور نہ جانے کن کن غیر فطری خیالوں سے چور چور ہو رہا تھا ــــ اچانک دروازہ کھلا۔ اور عبدل ایک تہ دلفافہ لیئے کمرے میں داخل ہوا "آپ کا خط" یہ کہتے ہوئے اُس نے لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا ــــ عبدل چلا گیا اور میری نظریں خط کے اوپر دائیں طرف سرخ روشنائی سے لکھے گئے ایک نام "نجمہ" پر جم کر رہ گئی ..... نجمہ ... میری ایک محسن ... میری ایک ہمدرد ... ایک عورت ... نجمہ ... !

ــــ میری آنکھیں بند تھیں۔ تصور میں قوس کے سات رنگ بکھرے

پٹے تھے۔ اور ہر رنگ "تجمہ کی پر تخفف مسکراہٹ لئے میرے وجود کو دیکھ
رہا تھا ——— میرے ہاتھ نہ چاہتے ہوئے بھی خط کھولنے لگے ایسے ہی جیسے
ایک اندھا چلتے چلتے اپنی چھڑی سے راہ ٹٹولتا ہے ..... میں نے آنکھیں
کھولی سرخ روشنائی سے دا عداد ایک خط میرے ہاتھ میں تھا ———
——— شاہد ۔ یہ خط میں نے تمہیں ضرور لکھا ہے ... لیکن یقین کرو
یہ سوچ کر نہیں کہ تم اس سے پڑھو بلکہ تمہارے اندر اُس شاہد کے نام .....
جسے میرے سوا شاید ہی کوئی جانتا ہو ——— میں اس وقت شہر کے بڑے
سینی ٹوریم کے ایک وارڈ میں مفید اپنی آخری سانس اس خط میں دفن کر رہی
ہوں ——— برسوں سے دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا، رونے
کی بہت کوشش کی، آنسوؤں نے ساتھ نہ دیا ——— بوجھ بڑھتے بڑھتے
ایک درد بن گیا ——— جس میں تمہارا دیا ہوا زہر بھرا ہوا ہے ۔ شاید تم مجھے
کیسے بھولے جب کہ مرتے مرتے میری زبان پر تمہارا ہی نام ہے ——— شاید
میں نے تمہیں بہت کچھ دیا ..... بہت کچھ ..... تم نے کیا دیا ... دکھ
... درد ... ذلت ... رسوائی ..... اور تم دے بھی کیا سکتے تھے
... مرد ہو نا ... !!

——— شاید وہ دن یاد ہے جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ۔ تم
بس سٹاپ سے قریب ہی ایک لوہے کے جنگلے سے ٹیک لگائے خلاؤں میں
نہ جانے کیا ڈھونڈ رہے تھے ——— میں اپنی سڈھ بدھ کھو کر نہ جانے
کیوں تمہیں تکنے لگی ..... تمہارا قولوما کچھ دن پہلے ایک رسالے میں

چھپا تھا۔۔۔۔۔ تمہارا ایک افسانہ بھی شریع ہوا تھا۔۔۔۔ جس کا عنوان آج بھی مجھے یاد ہے "فریبی" تھا نا۔۔؟ مجھے تمہارا افسانہ بہت پسند آیا۔۔۔۔ لیکن یقین کرو شاہد! اگر مجھے معلوم ہوتا اُس افسانے کا مرکزی کردار "فریبی" تم ہی ہو۔۔۔۔۔ میں تمہیں ٹھوکتی بھی نہیں۔۔۔۔۔ میں نے اپنی کتاب تمہارے نزدیک گرا کر تمہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔۔۔۔۔ تمہارے چہرے کی ساری سرخی، آنکھوں کی معصومیت نہ جانے کہاں غایب ہو گئی۔۔۔۔! تمہاری پیشانی پر پسینے کے قطرے چھوٹنے لگے۔۔۔۔۔ شاہد! تمہاری یہ معصوم ادا مجھے بہت بھا گئی۔۔۔۔۔ تم نے کانپتے ہاتھوں سے کتاب اُٹھا کر میری طرف بڑھا دی۔۔۔۔ میں نے کتاب لے کر تمہاری طرف دیکھا۔۔۔۔ لیکن جلدی ہی تم نے نظریں نیچی کیں۔۔۔۔۔ معصوم تھے نا۔۔۔۔!

۔۔۔۔۔ دوسرے دن کالج سے نکلتے ہی میں نے تمہیں اپنا منتظر پایا۔۔۔۔ اور شاہد! ہم دونوں ایک ایسی ان دیکھی ڈور سے بندھ گئے۔۔۔۔۔ جسے صرف محسوس کیا جاتا ہے۔۔۔۔ دیکھا نہیں جاتا۔۔۔۔۔ میرے دل میں تمہارے لیے شفقت تھی۔۔۔۔ پیار تھا۔۔۔۔۔ ایک مقدس عقیدت تھی۔۔۔۔۔ تمہارے دل میں کیا تھا۔۔۔؟

۔۔۔ وقت گذرتا گیا دو سال کے طویل عرصے میں ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔۔۔۔ تم ہر دوسرے تیسرے دن اپنا کوئی

تھا..... میری انا کو تسکین ملتی تھی..... اُٹھتے بیٹھتے... سوتے — جاگتے۔ میرے تصور میں صرف تمہارے ہی افسانوی کردار گھومتے رہتے تھے.....!!

——— شاہد! میں نے تمہیں لکھنے کے ایک نئے انداز سے روشناس کیا..... تمہارا ہر افسانہ تخیل پہ مبنی ہوتا تھا..... لیکن میں نے تمہیں زندگی کی اُن ٹھوس حقیقتوں سے آشنا کیا۔ جن کی عکاسی کرنے سے تمہارا قلم قاصر تھا..... پھر آئے دن تمہارا کوئی نہ کوئی افسانہ چھپا ہی رہتا تھا..... چند ہی دنوں میں تمہارا نام شہر کے سرفہرست کے افسانہ نگاروں میں ہونے لگا..... اور ساتھ ہی ساتھ تمہارا شوقِ آتش بھی بڑھتا گیا..... پھر اچانک تم تین مہینے غائب رہے..... میں نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا..... لیکن بے سود..... تین مہینے کے بعد تمہارا مرجھایا ہوا چہرہ..... دھنسی ہوئی آنکھیں دیکھ کر میرے دل میں اک ہوک سی اُٹھی..... تمہارے ہاتھوں میں کوئی کتاب تھی..... جسے دیکھتے ہی میرے دل کی عمیق گہرائیوں سے ایک ہلکی، میٹھی۔ پُرسکون لہر اُٹھ کر تمہارے مرجھائے ہوئے چہرے پہ پھیل گئی..... وہ تمہارا ناول تھا..... جس کو تم نے خون کے قطروں سے لکھا تھا..... لیکن کوئی پبلشر چھاپنے کے لئے تیار نہ ہوا..... تم نے بہت کوشش کی۔ لیکن ہر جگہ ناکام لوٹے..... تم ٹی۔ بی کے مریض کی طرح زندہ رہنے کی جدوجہد میں تھے

۔۔۔۔ تمہاری یہ حالت دیکھکر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے وہ زیور جو ماں نے مرتے وقت یہ کہہ کر دیئے تھے "بیٹی انہیں رکھ لو وقت پر کام آئینگے" بیچ ڈالے ۔۔۔۔ صرف تمہارے زرد چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دیکھنے کے لئے ۔۔۔۔!

وہ دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی رات تھی ۔۔۔۔ میں اپنے کمرے میں سونے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی ۔۔۔۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی ۔۔۔۔ میں گھبرا گئی ۔۔۔۔ اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے ـــــ؟ لیکن جلد ہی تمہارا دھندلا عکس تصور کے پردوں کی اوٹ سے جھانکنے لگا ـــــ اور میں فرطِ مسرت سے دروازے کی طرف بھاگی ـــــ کیونکہ اُس دن تمہارا ناول چھپ کر آنے والا تھا ـــــ دروازہ کھولتے ہی تمہارا پُرسکون چہرہ دیکھ کر مجھے میرے زیور واپس مل گئے ۔۔۔۔ تمہارے ہاتھوں میں ناول تھا ۔۔۔۔ تمہاری صرف تخلیق تھی ۔۔۔۔ میری تو ماں تھی ۔۔۔۔ تم سردی سے ٹھٹھرتے رہے تھے ۔۔۔ میں نے تمہیں آتش دان کے قریب ہی ایک کرسی پر بٹھا دیا ۔۔۔ میں نے کئی بار ناول الٹ پلٹ کر دیکھا ۔۔۔۔ میں بہت خوش تھی ۔۔۔۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے ۔۔۔۔ خوشی کے ۔۔۔۔ تمہارا چہرہ بھی کھلا ہوا تھا ۔۔۔۔ اور پھر نہ جانے کیا ہوا ـــــ! تمہارا کھلا ہوا چہرہ ۔۔۔۔ کالے پتھر کی طرح کالا ہوتا گیا ۔۔۔۔ تمہاری آنکھوں میں معصومیت کے بجائے موت کا رنگ اُترنے لگا ۔۔۔۔ اچانک ایک

ایک زبردست زلزلہ آیا ۔۔۔۔۔ زمین پھٹ گئی ۔۔۔۔ آسمان تھر تھرا گیا ۔۔۔۔۔ تم نے ہمدردی کا لبادہ پھاڑ دیا اور ایک ـــــ وحشی درندے کیطرح مجھ پر جھپٹ پڑے ۔۔۔۔ میرا ذہن ماؤف ہو چکا تھا ۔۔۔۔۔ وہ سمجھنے ۔۔۔۔ سننے ۔۔۔۔ دیکھنے کی قوت کھو چکا تھا ۔۔۔۔ پھر جب مجھے ہوش آیا ـــــ زمین پھٹ نہ گئی تھی ۔۔۔۔۔ آسمان تھرتھرانا اُٹھا تھا ۔۔۔ صرف چند لمحوں کے لئے آکاش کی گہری وسعتوں میں ایک ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا ، ایک معصوم پھول شبنم کے بجائے اوس کے قطروں سے مرجھا چکا تھا ـــــ جو خوبصورت ہوتے ہوئے بھی اپنی خوشبو لٹا چکا تھا ۔۔۔۔۔ شاید نہ جانے کتنے دنوں میں اُسی کمرے میں روتی رہی ۔۔۔۔ کوئی ہمدرد نہ تھا جو شریک غم بنتا ہے ۔ صرف تم تھے ۔۔۔ لیکن تم بہت آگے جا چکے تھے ۔۔۔۔ ہر طرف تمہاری تخلیق کے چرچے تھے ۔۔۔۔ میں بہت خوش تھی ۔۔۔۔ اسلئے نہیں کہ وہ تمہارا ناول تھا ۔۔۔ تمہاری تخلیق تھی ۔۔۔۔ اسلئے کہ وہ میری ماں تھی ۔۔۔ ! ـــــ شاید اس دنیا میں میرا کوئی نہ تھا ۔۔۔ اگر تھا بھی اپنا وجود جسے ایک ہمدرد کی ضرورت تھی ۔۔۔۔ تم ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر بھی مجھ سے دُور بہت دُور رہے ۔۔۔۔ میں ٹیوشن سے اپنی تعلیم پوری کر رہی تھی ۔۔۔۔ جو پوری نہ ہوئی ۔۔۔۔ شاید میری ہر آہ ہر سانس ایک افسانہ تھی ۔۔۔۔ لیکن تم نے کبھی میری آہوں کو سمیٹ کر کاغذ کے گوشوں میں بند نہ کیا ۔۔۔۔۔ شاید قدرت کا یہ عجیب مذاق ہے ۔۔۔۔ جس کا [illegible]

..... وہ کام میں اُس وقت کر رہی ہوں - جب موت اپنا جبڑا کھولے اس خط کے اختتام کا انتظار کر رہی ہے -

شاید میری زندگی کی ہر آہ .... ہر سانس پیاسی رہی .... اسلئے میں نے اُن آہوں کو اس خط میں سمیٹ کر ایک عنوان دیا ہے " بوند بوند پیاسی "

——— مجھے یقین ہے یہ خط پڑھتے ہی تم اپنے آپ سے نفرت کرنے لگو گے ..... یا خودکشی کر لو گے ..... لیکن نہیں .... تمہیں جینا ہے .... جی جی کے مرنا ہے ..... مر مر کے جینا ... بسکتا ہے ... دونا ہے ..... تڑپنا ہے ..... دیواروں سے سر پھوڑنا ہے ..... اور جب تمہیں تسلی نہ ہو تو .....

اپنے آفس کے بیرونی گیٹ سے باہر یا دوالی سڑک کے نکڑ پر اُس معصوم لڑکے کو دیکھا کرو جو صبح سے شام تک لوگوں کے جوتے پالش کیا کرتا ہے ——— !!

اردو

سید یعقوب دلکش

"ا" چھو حرفن منہد گوہڈ، لفظن منہ ماند ـــــ "ا" چھو اکھ سیئز ریکھ، اکھ پرکھاوچ ریکھ، بلئے حرفن منہد اکھ ناز، اکھ دفہ جود ـــــ انھ سیئزہ ریکھ پیٹھ ہرگاہ بیاکھ دولہ سیئز ریکھ پیئے، سہ گوہ وزیب ـــــ زیب گوہ واسلس پیٹھ ظلمی منہد اکھ نشانہ، اکھ بیج وتھ، اکھ کیچ زہ اکھ ہموار نقشہ، اکھ دھوکھہ "ا" الفس یئلہ "سہ" لاگو کاتیاہ نوی لفظ چھہ نوی زلوان، نوہ سرہ کلہ کڈان ـــ تہ نوی لفظ چھہ نوین کتابن اکھ نو شکل دیوان ـــــ

"یئلہ گژھیا الف راوتھ یا ژلتھ ..... ؟"

"ا" گوہ دراوتھ، حرف گرے راوتھ تہ لفظ گرے راوتھ ـــــ

سودی گوہ دراوتھ ـــــ

"اف یہ ہس کتھ گوہ دے ـــ ؟"

"زتہ برتھ آو سیو مت یا تہ گوہ دیتھ"

"یہ کیتھ رتھ ــــ!؟

"میانہ زندگی مُہند اکھ نشہ، اکھ گوئل، اکھ دام، اکھ گروھڑ ــــ"

"مگر ــ آدم خون چیتھ چھُ اکھ انسان آدم خورنان"

"ــ اپُز ــــ سورُی اپُز"

"تہ آدم خورس چھِ ساٰدی کھوزان ــ کھوزان کیاہ ــ؟ دے کران"

"کیتھ س وقتس ــــ"

"اٰہ ــــ وقتہ بردہ نہ چھِ تُمس ہ لکل کران"

"سُہ گہ وتُس۔ یُس کہ بکھ دیہ، نپنہ انہ گٹہ کُھٹہ منز نیرنیرہ ــــ
تو پتہ چھ نپنِ بات ــ ساٰدی مژہ نندرہ ــــ"

"بس ــــ اُف ــــ!"

اکھ گوئل، اکھ دام، بیاکھ دام، بیاکھ گروھڑ ــــ ژھوہ پیٹھ کیاہ کرُتھ ــ؟
ژھے کیاہ پھیورُی ساٰدی سے پانس تخ ــــ؟ نپر پنہ کرہ وُن
اٰہار کیاہ گو وسید گھِک پاٹھ لگتھ ــ؟

"ا" چھُ "م" میمک وہ جود "م" میمہ کلہ ژٹھ چھُ اُلف،
سبزہ تہ ہجہ شکلہ منز لبنہ لوان ــ اتھ شکلہ منز چھُ "ا" "م" میمس
تھپچھ کرُتھ "م" میمہ کلہ چھُ اکھ آفتاب ــ اکھ پریزلوُن آفتاب
ہرگاہ نہ اتھ اٰلنج تھپچھ آسہ ــ آفتاب گرتھ یٹلہ ــ ساٰدی آیتات
گرتھ ژٹھ ــــ

"م" چھار کشن آتاب ؟"

اوہ گیاہ ۔ کاینا تحی لوبہ دنی تہ پر نرلہ وزی شوب ، اکو لود ۔۔۔ مگر یم ...

... یم کرشہ کر بکہ ۔ یتھ منز بس منز ۔۔۔ ! ؟

پتیمین راتمان مند وشدر

"وشدر کرہ چھ یتھ شور سار ہے سکونس مٹاوان ؟"

"سکونس نہ مٹاوان ۔ بلکہ ضمیر کس منز بس زیر دتھ پنز ناو پیوہ کاہ پنز کوشش کران ۔"

"پنن وجود پر کھاوتھ چھ انسانس پنن پان روانک خطرہ آسان ۔

"پنن پان راوہ راد ہے چھے انسانس منز پچ ژھای در نیٹھ گرتھان"

"مگر ۔۔۔ یہ ۔۔۔ یہ منز لیک شور کر بند" "یہ شور گنڑھ نہ بنہ ۔"

"مے تگر یہ شور یتھ راتھ ژھ منزہ گیہ منز دفن کرن ۔ وچھ میانی یم نہ انتھ کتھ کنہ کران یہ شور بند ۔۔۔ آ ۔۔۔ وجود تہ ۔۔۔ تمے کیانہ گمی ژھوپہ اصل ۔۔۔ ژھوپے چھ میون سکون ۔۔۔ !

"ح"

"ا" ژھٹھ چھ "ح" ژندرچہ شکلہ منز لبنہ یوان ۔ تہ انتھ ژندرچہ شکلہ منز باگ زہ تارک ، گاشہ تارک ، گیہ منز لبنہ یوان ۔ ژندرچہ کو چھ منز تارکن مندگنہ بلشہ کرن کس چھ کران ہے علم ! ۔

تیل بس بیٹھ انہ گیہ منز امہ لولہ منز لچ یہ گرای ۔۔۔ بیٹھ یا سے تارکن مندسہ استقبال ۔۔۔ بیٹھ گیہ مند اکھ وجود ، اکھ

"مہ لیکھ یم اُفسانہ"

"کیسانہ"؟

"ژہ چھُکھ سورُے اپُز لیکھان - کرہنس رنگس سفید رنگ گمان - نہ گوڈ کُنہ - نہ اَند"

پزر بوزہ چھہ قلمچ زلو اپُز لیکھنس پیٹھ مجور گرتھان —

"زہن پزرکہ قلمچ اپز زلو ژٹھ؟"

"نہ ہہ ہیکن نہ یہ زلو ژٹھ — آ — یہ ہیکن نہ پزرکہ قلمچ اپز زلو ژٹھ — آ —

مگر کتھ کُنہ — ؟

..... !

سید لیقوب دلکشہ سنز گوہ ڈپنچ کا شر

ناوَل

گرَبہنہ مَتھ

بیتھ منز

اکہ سیاہ ژھایہ مُنڈ سیاہ وہم — اتھہ رآوِتھ کھوَلن مُنڈ وچھ کروٹھ مُنز لُک زیوٹھ اند — بہار کو ژھایہ گنج — ہردکے نالہ مُنج — اکھ اسُن — اکھ ودُن — !

آسہ جلد ہے قاری ئین اُچھو پھری پھری وچھان

نشہ اور ٹھوکر

مشتاق احمد مشتاق

رات بھیگ رہی تھی ——

مسز رحمان کی کوٹھی کا وسیع ہال مہمانوں سے جگمگا رہا تھا۔ یہ جگمگاہٹ رنگین لباسوں کی تھی۔ فلک شگاف قہقہوں کی تھی۔ رقص و سرود کی تھی — بھرے جاموں کی تھی —— ڈنر کے بعد رقص کے شایقین آرکسٹرا کی مدھم سروں پر تلچھنے لگے۔ کچھ مہمان پینے لگے۔ اور کچھ پی کر لڑکھڑانے لگے تھے۔ جہانگیر ..... مسز رحمان کی قدم کا میجر دوپیگ چڑھا چکا تھا۔ تیسری پیگ کی لہر میں وہ اچانک اپنی میز سے کھڑا ہوا۔ اور جھومتا گھومتا سامنے والی میز کے قریب جا کر بیٹھے نوجوان سے مخاطب ہو کر بولا۔

"ہیلو ڈاکٹر ——"

"ہیلو ——" ڈاکٹر اسلم نے دلی سے جواب دیا۔ جیسے جہانگیر کا اسطرح پکارنا اُسے پسند نہ آیا ہو۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اتنے میں سرو (SERVE) کرنے والے ملازم نے جہانگیر کے اشارے پر

ٹیبل پہ وسکی، سوڈا اور دو عدد گلاس رکھدئے۔ جہانگیر نے دو جام بنائے۔ ایک جام ڈاکٹر اسلم کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"مسز رحمان بڑی زندہ دل عورت ہے جی چاہتا ہے۔ روز اسکی سالگرہ ہوا کرے۔ اور میں جام بھرتا رہوں۔ خیر لیجئے۔ یہ جام نوش کیجئے"

"شکریہ میں پیتا نہیں"

"کیا کہا ——" جہانگیر نے بے اعتبادی سے پلکیں جھپکیں۔ اور ایک ہی گھونٹ میں آدھی گلاس حلق سے نیچے اتار کر ہونٹ پونچھتا ہوا بولا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے"

"کیوں ——؟" ڈاکٹر اسکی حیرانگی پر مسکرایا "کہا میں نے کوئی انہونی سی بات کی ——"

"انہونی تو نہیں ——" جہانگیر جلدی سے بول اٹھا —— "پھر بھی مجھے یقین نہیں آتا —— جس شخص کو ہر روز ایک دن بھی شراب پیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ خود پیتا ... طلب ... بات کچھ عجیب سی ہے ——" کہتے ہوئے وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ ہنسی تلخ اور طنز آمیز تھی۔ بھیانک اور مکروہ تھی —— خون کھول دینے والی ہنسی تھی —— اسلم کے جی میں آیا۔ جہانگیر کا منہ نوچ لے اس ہنسی کو بند کر دے۔

کا پیدائشی حق ہے۔ وہ کس کس کو ہنسنے سے باز رکھ سکتا تھا۔ کس کس کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ کس کس کا منہ بند کر سکتا تھا۔ کسی ایک کا بھی نہیں لگیر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ سوچیں طویل ہوتی جا رہی تھیں۔ سوچوں میں گھٹن تھی۔ بدصورت اور گھناؤنا احساس تھا۔ ڈاکٹری نکتہ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے زیادہ سوچنا مناسب سمجھا۔ اپنا دھیان، اپنی سوچیں منتشر کرنے کے لئے بھرپور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

جہانگیر اُٹھ کے چلا گیا تھا۔

مہمان بدستور خوشی میں ڈوبے قہقہے لگا رہے تھے پی رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے اور رقص ـــــ رقص کرنے والے رقص نہیں۔ رقص کے نام پر نشہ جذبوں کو سہلا رہے تھے۔ اُسکی بیوی کا پاٹنر بیس ۲۰ اکیس ۲۱ سال کا ایک سجیلا خوبرو نوجوان منظور تھا۔ منظور بار بار زرینہ کی گردن کے بڑے بڑے بالوں کو چومنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ اور زرینہ نوجوان کی اُس حرکت پر محض مسکرا کر گردن جھٹک دیتی تھی۔ یہ ادا خوبصورت تھی۔ یہ رقص خوبصورت تھا۔

یہ منظر خوبصورت تھا۔

رات، ماحول اور محفل خوبصورت تھی۔ لیکن اسلم کے لئے یہ کچھ نہ تھی وہ بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ پھر دوسرے لمحے کھڑکی کے قریب آگیا۔ نادل بھری چاندنی رات شوخ دوشیزہ کی طرح مسکرا رہی

تھی۔ مگر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے رات مُسکرا نہیں رہی ہے چاند کِھلا نہیں بلکہ اسکی پیلی پیلی روشنی سولی پر چڑھے ہوئے انسان کی آنکھوں وہ ڈوبتی کانپتی چمک ہے۔ جس سے وہ اگلے ہی لمحے محروم ہونے والا ہے ـــــ جیسے کہ ..... !! یکایک اُس کی سوچوں میں ارتعاش سا پیدا ہوگیا۔ اُسکی آنکھیں ماضی کے دُھندلکے میں ڈوب گئیں ....

"سیٹھ احسن کو جانتے ہو اسلم ـــ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ مانگنے آئے تھے"۔

"کیا ـــــ" اسلم نے بے اعتباری سے کہا ـــ "یہ کیسے ممکن ہے کہاں وہ شہر کے رئیس اور کہاں ہم۔ مجھے تو ....."

"تم بیوقوف ہو ـــــ" بوڑھا باپ اپنی بے نور چھوٹی چھوٹی آنکھیں موند کر بولا ـــ "وہ اگر سیٹھ ہے تو ہم کیا کم ہیں۔ مانا غریب ہیں۔ لیکن تم اب ڈاکٹر بن گئے ہو۔ تمہاری عزت ہے۔ تمہاری قیمت ہے۔ جانتے ہو۔ جہیز کیا ملے گا ـــ ایک لاکھ روپیہ نقد۔ ..... کار ..... اور ساتھ میں کوٹھی ـــ"

اسلم کی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے چندھیا سی گئیں۔

کوٹھی ..... کار ..... اور روپیہ ـــ سوسائٹی میں ایک خاص مقام پانے کا ذریعہ۔ آخر کس لالچ میں سیٹھ احسن اتنا جہیز اور لڑکی دے رہا ہے۔ لڑکی تو ٹھیک ہے۔ لنگڑی تو نہیں۔ کانی تو نہیں

کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں -

"ابا جان وہ لڑکی ....."

بوڑھے کی آنکھیں چمک اُٹھیں - مسرت آمیز لہجے میں بولا ـــــ "میں نے دیکھی ہے - ایسرا ہے ایسرا ـــ کالج میں پڑھتی ہے - پرسوں خود اُسے دیکھنا تم"

سیٹھ احسن کی بیٹی واقعی ایسرا تھی - ڈاکٹر اسلم نے اُسے دیکھتے ہی حامی بھر لی - زرینہ نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا - اور بات پکی ہو گئی شادی کے اگلے ہی روز وہ ہنی مون منانے گلمرگ چلے گئے - ایک ماہ بعد وہاں سے لوٹے - تو دونوں خوش تھے - ایک دوسرے سے مطمئن تھے کہ لمحے جوانی کے تھے - کیف آور اور نشہ بار -!

دن حسین اور شامیں رنگین تھیں

مگر کچھ ہی عرصہ بعد اسلم چونکا - اُسے احساس ہو گیا - شادی محض اسکی خوشی نہ تھی - اس شادی سے اُسکے گھر والوں کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں - وہ ..... وہ اُمیدیں کیا ہوئیں - گھر والوں کے وہ خوش بخت سپنے کیا ہوئے - باپ، بھائی اور بہنیں بھابی کے دن کیوں نہ پھر سکے بھائی کے چھوٹے بچے اب بھی کیوں پھٹے پرانے گندے کپڑوں میں پھرتے رہتے ہیں ـــ یہ گندگی ـــ یہ ماحول ـــ یہ گھٹن کیا ہے ؟ نچلے طبقے

کی پیداوار ــــ ! اس پیداوار کو تبدیل کرنے کے لئے روپے پیسوں کی ضرورت تھی ۔ مگر روپیہ اسکی اپنی تحویل میں نہ تھا ــــ زینہ کے بنک لاکر میں محفوظ تھا ۔ اور زینہ ۔ ۔ ۔ ۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنی رہی جیسے اُسے کسی بات کا احساس نہ تھا ۔ اسلم کے گھر والوں سے کوئی رشتہ کوئی تعلق نہ تھا ۔ ایک شام وہ روٹھی سی بیٹھی تھی ۔ اسلم نے اُسے پیار سے گلے لگاتے ہوئے پوچھا ــــ "کیا بات ہے"

زینہ جیسے پھٹ پڑی

چلّا کر بولی ــــ "اب میں اس گھر میں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی تمہارا باپ مجھے کوستا رہتا ہے ۔ تمہاری بھابی مجھے طعنے دیتی رہتی ہے دن بھر مجھ سے لڑتی رہتی ہے ۔ یہاں میرا دم گھٹ جائے گا ۔ تم چلتے ہو کہ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"نہیں میری جان" اسلم اُسے منانے لگا ۔ "تم کہو اب کرنا کیا ہے ۔"

زینہ جیسے اسی فقرے کی منتظر تھی ۔

فوراً کہہ اٹھی ــــ "راجباغ میں تمہاری نئی کوٹھی تیار ہو چکی ہے ۔ ہم وہیں چلے جائیں گے ۔"

ــــ "اسلم کچھ کہتے ہوئے رک گیا ۔ زینہ کو وہ اپنی جان سے زیادہ چاہتا تھا ۔ زینہ کی بات ٹالنا یا اُسے ناراض کرنا اُسکے اختیار میں نہ تھا ۔ تیسرے ہی دن گھر والوں سے علیحدگی اختیار کر کے نئی کوٹھی میں چلا گیا نئی کوٹھی میں آئے کو دو ہی ماہ بعد ایک خوبصورت

بچے کا باپ بن گیا - خوشی دوہری ہو گئی ـــــ میاں بیوی نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا - کہ ایک شاندار پارٹی دینی ہی چاہیے ـــــ

اتفاق سے جس دن پارٹی تھی - اُسی دن باپ، بھائی اور ماں سے زیادہ چاہنے والی بھابی ..... تینوں سلم کے بچے کو دیکھنے کے لئے آگئے سلم بڑے گھر کا داماد تھا ـ بڑا آدمی بن گیا تھا - اپنوں کو بھول بیٹھا تھا - مگر اپنے اُسے کیسے بھول سکتے تھے - بڑی امیدوں کیساتھ پالا جو تھا تینوں ڈرتے جھجکتے ڈرائینگ ہال میں داخل ہو گئے ـــ سلم کی نظر اچانک ان پر پڑی ـــ وہ خوش بھی ہوا اور حیران بھی... ہونٹوں پر جذباتی مسکراہٹ سمیٹے بے اختیار ان کی طرف دوڑا - مگر دو ہی قدم چلنے کے بعد اچانک اُس کے قدم ٹھٹھک گئے ـــ کوئی مہمان عورت زرینہ سے پوچھ رہی تھی ـــــــــ "یہ بھکاری لوگ کہاں سے آگئے کیا تم نے بھکاریوں کو بھی مدعو کیا ہے ـــ"

زرینہ نے کوئی جواب نہ دیا - سوال کرنے والی عورت کو مطمئن کرنے کے لئے اُس نے ہلکا سا قہقہہ لگا دیا - مہمان عورت نے بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے قہقہہ لگا دیا ـــــ ایک زوردار قہقہہ..... عورت جب قہقہہ لگاتی ہے تو مرد اسکی تلقین کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہے ایسا نہ کرے - تو وہ اپنے آپ کو دنیا کا احمق ترین انسان تصور کرتا ہے چاروں طرف سے قہقہے گونجے ـــ یہ قہقہے اونچی سوسائٹی کے تھے - اور قہقہے کا مضمون اسی سوسائٹی کے ایک فرد کا باپ تھا - سلم کا بوڑھا

پھر اسی باپ، مربل سا کلرک بھائی اور پھٹے پرانے کپڑوں میں سوکھی سہمی بہنیں۔۔
۔۔۔ تینوں اپنا سا منہ لے کر تھکے ہارے قدموں سے واپس لوٹنے لگے۔ اسلم انہیں روک نہ سکا۔ محض دیکھتا رہا۔ کافی رات گئے پارٹی اختتام پہ پہنچی ــــ
زرینہ نے بیڈ روم میں آ کر اسلم کے اداس اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پیار سے پوچھا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیا بات ہے؟"

"بات ــــ!!" اسلم نے ٹھنڈی سانس لے کر تلخی سے کہا ــــ "بڑی محفل میں میرے گھر والوں کو بے عزت کرایا اور کہتی ہو کہ ۔۔۔۔۔"

زرینہ نے مسکرا کر بات کاٹ دی۔

"بے عزتی ان کی جاتی ہے جن کی کوئی عزت ہو۔ آپ ہی کہیے یہ دو کوڑی حیثیت کے انسان یہاں کیا ہمارا مذاق اڑانے آئے تھے۔"

"نہیں ــــ" اسلم بے اختیار ہو کر سخت اور اونچی آواز میں چلّا اٹھا "وہ ہم سے ملنے آئے تھے۔ ہمارے بچے کو دیکھنے آئے تھے۔ تم جانتی ہو کہ میرا ان کے ساتھ رشتہ ہے ــــ"

"رشتہ ــــ!" زرینہ مسکرا دی۔ پھر ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی ــــ "تھا اب نہیں ہے ــــ"

"کک ۔۔۔۔ کیا مطلب ہے ــــ؟" اسلم جیکٹ اتارتا ہوئی نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ زرینہ نے کوئی جواب نہ دیا ــــ خاموشی سے منہ پھیر کر سو گئی ــــ اسلم آدھی رات سوچتا رہا۔ تمام رات کروٹیں بدلتا رہا ــــ دیکھتا رہا۔ سنبھلتا رہا۔۔۔

لیکن اگلی صبح وہ جیسے اس واقعے کو ہی بھول چکا تھا۔ کل جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا ۔ عام دنوں کی طرح پرسکون اور مطمئن تھا۔ دراصل یہ سوچکر وہ خاموش رہا تھا۔ کہ بات بڑھانے سے معاملہ الجھتا ہے۔ سلجھتا نہیں۔ اُسکی بیوی ناسمجھ نہیں۔ پڑھی لکھی عورت ہے۔ کل پرسوں اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی معافی مانگ لے گی۔ اپنے رویے پر نادم ہو جائے گی۔

لیکن نہیں ——— زرینہ نے ایسا کوئی تاثر نہ دکھایا۔

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اُسکا رویہ مزید سخت ہوتا گیا۔ اُسکا پیار۔۔۔۔۔۔ اُسکی باتیں۔۔۔۔۔۔ وہ گرم جوشی۔۔۔۔۔۔ وہ حرارت جیسے مدھم پڑ گئی۔ ماحول میں گھٹن اور تلخیاں پیدا ہو گئیں ——— اسلم سوچ سوچ کے جھنجھلا اُٹھتا ——— آخر کیوں یکلخت یہ کیا ہو گیا۔ یہ انقلاب کیسا ——— زرینہ کے رویے میں اسقدر تبدیلی کیوں آگئی۔ کیا وہ مجھ سے اُکتا گئی ——— کیا اب مجھ میں کوئی کشش نہ رہی۔ کیا اب میں اسکے لائق نہیں رہا۔ کیا اب۔۔۔۔۔۔؟ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگتا ——— آخر وہ مرد ہے۔ اپنی بیوی پر اُسکا کچھ اختیار ہے۔ اپنی بیوی کو وہ سمجھا سکتا ہے۔ اسکی بے راہ روی روک سکتا ہے۔ شراب پینے سے باز رکھ سکتا ہے۔ کلبوں میں جانے پر پابندی لگا سکتا ہے۔

مگر نہیں ——— اس کے اختیار میں کچھ نہیں۔ وہ زرینہ پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ بزدل تھا۔ اُس سوسائٹی

کا فرد تھا یہاں ایسے معاملوں پر لب کشائی معیوب خیال کی جاتی ہے۔ اُسے ڈر تھا۔ کہیں زرینہ یہ نہ سوچے۔ اُسکا شوہر قدامت پسند ہے۔ تنگ نظر ہے۔ شکی ہے۔ اونچی سوسائٹی کے آداب و اخلاق سے ناواقف ہے۔ کیا واقعی وہ اس سوسائٹی کے قابل نہیں۔ یا سوسائٹی کے نام پر اُسے رسوا کیا جا رہا ہے۔ ذلیل کیا جا رہا ہے۔ ہنسی مزاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کیوں۔ آخر کیوں ——— ؟ وہ کچھ نہ سمجھ پا رہا تھا۔ جب بھی اُس نے سمجھنے کی کوشش کی۔ اُس پر جھنجھلاہٹ سوار ہوتی ——— اُسکا خون کھول اُٹھتا۔ وہ اپنے آپ کو بے بس سا محسوس کرنے لگتا۔ مگر آج ——— آج ——— ؟....

"اسلم صاحب آپ کیا سو گئے ———"

"ہم..... ہیں....." اسلم چونک پڑا ——— سوچتے سوچتے کافی وقت گذر گیا تھا۔ پارٹی اختتام پر پہنچ گئی تھی ——— مہمان میزبان سے رخصت لے کر جا رہے تھے ——— اور جہانگیر قریب ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے اپنے مخصوص طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"مسٹر اسلم اِدھر کیا دیکھ رہے ہیں آپ اُدھر اُس کونے میں آپ کی بیگم بیہوش پڑی ہے۔ میرا مطلب..... انہیں سنبھالیے۔"

اسلم غصے کی شدت سے تڑپ اٹھا۔

کچھ بولا نہیں ——— کھنکیوں سے بیہوش زرینہ کو دیکھا۔ پھر بھرپور نظروں سے جہانگیر کو گھورنے لگا ——— پھر اچانک اُس نے

قہقہہ لگا دیا

تلخ ..... تیز ..... اور جوابی قہقہہ ــــ!

جہانگیر چونکا

اسلم بھاری اور اونچی آواز میں کہہ رہا تھا ۔

"یہ میری بیوی نہیں۔ ایک طلاق شدہ عورت ہے۔ اسکا امیر باپ ہی اسے سنبھالنے کا حق دار ہے ــــ؟"

رات روشن تھی

غلام نبی شاہد کا پہلا ناول

• جس میں دورِ جدید کے گھناؤنے پہلوؤں کا پردہ بڑی بے باکی سے چاک کیا گیا ہے۔

• جس میں مفلسی کا کفن اوڑھے مظلوموں کی دردناک کراہیں

عنقریب ہی منظرِ عام پر آرہا ہے

بوچھیر

غلام نبی شاہد

کُس چھُنہٕ بوچھیر۔ کُس چھُنہٕ بوچھیر ہوٚت۔ سادی یمیر تٹہ وٚنہٕ پھیرہ وٚنہٕ شکلہ۔ یم وُڈہ وٚنی جالو۔ رنگیہ رنگیہ اَمی بوچھیر پنہٕ لس زالس منز وٚلی ہتہ — کیتزٕن دو پٹھ بوچھیر، کیتزٕن طمیچ، کیتزٕن بتہ مُنڈچ تہ کیتزٕن ملئے تہ مجتیچ — کیہہ بوچھیر وتان وتانی میٹرہ ستیچ متھنہٕ یوان — کیہہ طمیچہ بوچھیر پوچھگر دٕنہ پانٹھ خبر کیتہٕ بوچھیر تہٕ مُنہ خون ژہان — تہ کیہہ مائے تہ مجتیچ بوچھیر ہٕنٹی پنٹھ کالس مُشرٕتھ وٚنی پانی پالس بوچھیر ہوٚلے گفن وُلتھ خبرتھ آلوس پاران — !!

بہار کی دوہ ہٕسی — آبشار کو ہسارتہ سبزار ہٕسی یا وٚنکی حامہ وُلتھ ژھٹہ ماران — آبہ نالہ ہٕسی بہاڑہ دامنہ دامنہ گلایہ ماران ماران پوشہ باغن سگ دتھ بوچھیر ہٕتس مُشری ہٕندی پاٹھو خبر کور ماران —

بشر اوس دایہ پیٹھ بہتھ پوشہ پھُلیہ کن مدے گنڈ تھ وچھن۔ تیچ

رڈھ رڈھ یاونگ آلو ہس دوان - اتھ تہ لوگ دوہ سونہ ——
سآری ہے نبس پھیود کہ بہنیار تہ گٹھ وقل پنہ گٹھ مُنہ زال تہ پآری
—— بشہ اوس واریاہ کا لگ ہمارے از پوشہ پھلے وچھنہ دامُت
- یتھ وچھتہ تمُ سندبن زمن ہتر آن کریلو دوہ تھنو - خبر کیاہ گتھہ ہے؟
اما پوز گٹھ وچھوتھے - یتھ تمُ سندبن زمن کریلو تہ سُہ آو گران گیران
بسترس پیٹھ لاینہ - اچھ مُنز ماوبن تہ زوٗنہ نمزہ پرنہ لونہ رڈھ آسہ
ژوہ پآری گاہ تساوان —— زوٗن آس دوٗر واریاہ دوٗر اکس گلس
ثعایہ بالہ تھنگس ڈلی تھے بہن، وتھہ ہندس نیلہ آلبس منز پنہ لس
حُسن سام ہیوان —— تانک آسی آسان تہ گندان اکھ اکس سیتہ
اتھ واس کرُتھ وتھہ ہندس نیلہ آلبس منز زوٗنہ ہندس پرنہ لونس
حُسن گتھ گران - بشس پیو پنُن لوکہ چار یاد یتلہ سُہ تہ اوس
دوہس اسنتھ تہ گندتھ شامس اتھ وتھہ بُٹھس پیٹھ پنہ نبن لوکچار چن
وزن لول بران ——

اکہ دوہ سہ یتلہ بشہ لوکچاہ چن وزن لول بُرتھ گیہ آوُ تہ بہ
وچھتھ گوٗ دگتھ زہ مول اوسُس بیہ ہے سفرس کن نیرہ پُچھ سکھ گران
یمہ سفرہ پیٹھ نہ از تام کانہ تہ واپس آوُ - بشس گیہ ہیرہ پیٹھ
لبون تام کُنی دِنن - زن نبوہس لوکہ چارک اکھ اکھ برُنز اتھہ موٗرتھ
— پتہ دز وولشن واریہس کالس پوٗتھ پھری پھری نلون زہ
امہ لو کچارُک اکھ برُنز اہ پیہ نا واپس — اپالوز سوٗرُت وخ کرآوُ

پوٗنت بشس گھ دلوکہ چارنہ بوہچھ ہوٗنت تہ آوتھ

بشس گھ دپتہ اکہ بوہچھ منداحاس ۔ یہ بوہچھ آس ملے
تہ مچتھ ۔ اماپوٗز اتھ بوہچھ تہ لوگ تہ انڈ ۔ بمس سنتھ تہ یہ بوہچھ یا گاونگ
منز کیوو نس تہ آس بوہچھ ۔ مگر دو لیچ تہ طلچ ۔ اکہ دوہ ہر شیلہ
سوہ ہر ٹینی ٹنتھ اتھ طلچھ بوہچھ پوچھر دنہ ڈرایہ ۔ بشہ اوس
دوٗیہ داریاہ دویہ تس دچھان دچھانی رٗود خبر کیتس کاس ۔

راٹ ہٗند پٹیم یہ تہ لوگ دنہ ۔ سارے ہے نیس پیٹھ پیوٗر نوٗو
ٹنگ ۔ بشہ لوگ سورے ہزوا چھو نیس منز خبر کیاہ ژھانہ ۔ زہرا
تازک ۔ یہندیہ نہ آسہ سنتھ آسمالس دوہ تو یوہے ژھریہ ہیوٗ اوس
باسان ۔ زٗون آس زہرا پنہ بوہچھ اندد تھ خبر کتھ بالہ تھنگس
ژھایہ بہتھ ۔ تہ ما آس ٹتو تھے ۔ بشہ نین اچھن ژھایہ ۔ بشہ
لوگ بے مال شٗری سندی پاٹھ پالس کھوٗری ڈچھنی وچھنہ ۔ خبر کیاہ
ژھانہ ۔؟ اماپوٗز نشد آیہ خبر کیتو مدیتہ میٹھو خاب ہتھ بشہ نین
اچھن ولتہ ۔ تہ بشہ لوگ میٹھین تہ مدین خابن سنتھ اتھ واس
کیتھ پتھ کالہ چھن دزن یاد کرتہ ۔

خبر کتھ بوہچھ ہٗنس کفس لوگ چاکھ تہ آفتاب دٹاو پہاڑہ نہرہ
ٹی دنہ دٗن دوجود ہتھ پنہ بوہچھ اندژھانڈتہ ۔ بشہ اوس میٹھین

خابن منز خبرکمن باغن پھران — اپالوز ماجہ کوڈس آلو تہ لشن مژ راوہ
اُچھو - موج وچھن لوکٹ بیٹنہ کو چھہ ہیتھ پالس کن تھلہ تھلہ وچھان
"موجی بہ چھس از ٹھیک گومت - ہے ہے آسہ از پتہ مہ لٹہ ڈاکٹرس
گژھن" — بی وناں وناں دوتھ لشہ تھوڈ ہیتو تن نزن — ماجہ کہ کس
تھپھ تہ دوان انس — "بہ ہایے ڈاکٹرس لش سیتہ"
"ناے موجی بہ ہے گژھ پانے - بہ ہے چھس از ٹھیک"
اُنھو سیتہ تر آون ماجہ تھپھ یلہ تہ دراو - موج لجس مدے گنڈھ
وچھنہ — وچھ ہس نہ کیانہ — لشس بخار اوس تہ کس — لشہ
مہ دوہ کامہ گژھ تمہ دوہ پیہ ہے دانس نیو نگل — پتہ میو
تریو کالو پیٹھ دوتکھ فاقہ دوان — بہ کیتھ ہاہ تہ اوسکھ
سہ گو دلشہ بمارہ پیٹھ ختم — لشس وآتی تہ ہے دوہ
دواہ چینہ ہے — اوہ تمس یاسان پآتی پان ٹھیک گومت — خبر
یہ ماژ ھیتہ گژھن وقتہ ثانگج تیز رہہ — ڈاکٹر شہزہ نیہ تک ناو
بوزتھ گو دلشہ سیٹھاہ خوش مگر سیتی لوگ بیش اکس لوچھہ
گوڈ بیتھ پتہ میو شیو کالو پیٹھ بمارہ ہندی ناوان پردہ اوس
تھوڑ ومت — پردہ گو وچاکھ تہ لشس نور فکہ نہ [illegible]
بوچھہ چھہ سار دے بوچھو خوہ تہ کڑ پیٹھ نہ
بوچھن دول پنہ یاونگ کن تہ دوبراوین پآتی پاہ ہے متر —
یہ بوچھہ ولہ — نہ ہرگز تہ — بشہ ودت ئی سونچان سونچان

گہہ — دروازس نِش ووت تہ بیٹہِ ہٹر آواز گیُس کنَن۔

"موجی بتہ ہے۔ ہے ہے لجُ بوچھ — ژہ کونے ہے بتہ دلان"

"غیر موجی ونتس — بشن مژ دروازہ — ماجہ بیٹہ نظر نہ وون نس —

"بشا کہو وون نے ڈاکڑ صاحبن۔؟

بشس اوس ہیُر خہ شک گومُت۔ اُچھ آسس یوری دڑا مژہ ماجہ مُتہد آلو بوزتھ پیوس ڈاکڑ یاد نہ وون نس

"موجی دو بنیم ہے وِنہ دہ دوہ ن تہ ن دوہ ہن بیٹہ فاقہ ژو چھُکھ ونہ بمارے"

بشہ آو یُی ونان ونان ٹاس کرِ تھ پھر لاینہ —

"بشا — بشا" موج وآ ژ یُی ونان ونان بشس نش — مگر — بشہ اوس یوچھ کیہ ومُت — !!

افسانہ

سید یعقوب دلکش

"کاشاہ راٹ گیہ یتھ ژاٹگس دزان ....؟ اے کو تام پوشہ تیل۔؟
امچہ رہہ کیازہ دوہ خوتہ دوہ ہر ہر گژھان؟ ... یہ رہہ
کرسویہ ——؟ تہ ژونگ کر گژھ ژھیتہ"
"یئلہ امچ سوہ یتھ تیل ژھتھ پانے دنہ ——"
"سہ وخ کرانہ" ——؟
"تمہ وختہ بروہنے لیکھ بہ کہنہ نتہ کہنہ —— اما پوز لیکھ کیاہ؟" ——
"بہ لیکھ تی بہ بہ چھس" لیکھنہ بروہنہ کس دیر میے اتھ سوالس
جواب نو بہ کیاہ چھس"؟
پنن قلم —— مگر قلمس چھ میل موکہ لاسن نیاد —— یو تام تھ
میل پوشہ —— "سہ گژھ ونان"۔
لونہ کس؟ —— کاغذ ——
اوہو —— بہ کوت دوتس؟۔
توتے تیتھ بہ اوس ——

"ہے کتہ اوس"؟ — "ہردہ کن زرد پتہ وُتھرن منز"

یمو دابہ کھرہ پوشزی چھا کم تریوان — پوٚنز چھُ پڑاہ وونمت

— ہشزہ پہر مُنزی چھ ڈایہ کھار تراثان — گوڈہ پیٹھ وہ اندہ ہس

کم شین — !

"یہ شہ ژھٹھ کپاری چھ یوان؟" — دابہ کاغذ چھُ وٚتھمت" —

نیٹری کنٹے کاغذ لاگہ آسہ ہے — جانور ماہن بتہ پھلہ پاتھ تلھ —

"پگاہ لاگہ بہ اُندری کنٹے کاغذ —

نہ نیٹری کنٹے — تہ کیانہ نفہ دودناتہ بہ — نفہ حاجانی

گیہ ڈیڈ حاجانی — نفہ چھُ اکس انسانس — ژور — تھچھ — اپز

ہٹس زدہ مُند شوک — ھنہ لس پیٹھ مجبور کران —

"گوڈہ کوسہ فرق پیٹھ اگر شیشہ پیٹھ نہ لاگوس —

یکہ وٹہ گیہ رہ پیہ نہ — اما پور اگر شیشہ پیٹھ نہ پھٹ — لوٹ کس انہ؟

پیٹھ اگر کاغذ ژھینہ تہ — اکو ژھینہ بیاکھ لاگوس — آ —

ہے چھ زلوا کاے — یہ نہ زلوہ کرتھ — ؟

ہے چھ اچھ مند — یہ کیانہ سوزے دچھان —

یہ کیاہ چھُس یہ دچھان — ہے کونہ مند دیوان" —

"گوڈہ یتھ یندہ سوزس لوٚزی لوٚزی کس پیہ مند — ؟

پیٹھ آسہ نہ ہے نہ یندہ کرچ کرچ کنٹ کھران —

یہ چھُس حاران — موج کیانہ چھنہ دوہس کوٚٹھ وٚتھ تہ نہ یوان"

ادہ نصیف تاژ تام ژانگس تل ہنتھ چھ موج چھب پنہ منزی کمن
کمن خاین مہر رہنہ منڈی پاٹھ پاٹھ راوان آسان ——
نیندہ سوذ پتہ پتہ مہرنمن زیٹھ نہ ٹھ وَنہ وَن ہُری ژراوان ۔
یہ کرچ کوچ کو گرتھ ہند ——؟
یٹیلہ نیند چکلز ہوکھتھ روشہ سنہ یٹیلہ نیند تُلس پَن کُلی
وُلی بُٹھ اژہ —— نہ یٹیلہ یونہ گھستھ ژھیٹھنتھ ہیہ —— یا یٹیلہ نیندہ
پچن کہی رَز نیرتھ ہیہ —— یٹیلہ ژکہ پُٹھتھ ہیہ —— ادہ موج
پنہ —— میانی پاٹھ سُلہ بسترس منزاژتھ میٹھ نیندر تژاوہ ——
اوہو کانگہ پھیرے یہ سارہ نے پلہ وَن لجود نار —— کُنی ژنہ موٹھ ڈر
گژھ ہے ۔ تمیک اوس سہلے —— نار چھ سُرس سرپوش تُلان ——
نار ماران اُکس مگر —— نار ماران سارہ نے ۔
نار چھ وُنہ پیٹھ بہہ ناوان —— نار چھ پرپیت تُلان
یہ شینہ ژھٹھ چھ لہ کانین نژتھ گژھان —— تونہ چھ ہیے کانگرہ
سپنس سنتی نالہ موٹ کوٗرمُت
اما یہ تہ کتھ گو د؟
لیفہ وُدہ کیا سا آیہ کھو رنیٹھ سنتی ژھیٹھنتھ ۔ ژو ۔ ژو ۔ ژو
بُو کجوم ژنگن واش —— بہتر چھ کوٗ ٹھ وُٹھتھ شوٗنگن ۔
"اوہو —— یہ کوٗت دوتس ہے نوٗنے ہیتہ یہ اوس —— یہ
کتہ اوس ——؟ ہردہ کین زہد پنہ وُتھرن منز" ——

میئے ہؤد نہ ٹاھِس ونُن یادے — زہ ٹاھیا — از تام ووت
ہیے سارِنے باپادین چون یہ کُل ہٗ وان — اما پوٗز باپآرِی ونان —
زہ یہ چھُنہ بُرُ زوٗل — یہ چھ ووٹ —!"

"یہ ووٹ تہ بُرُ زوٗل کیاہ گو و —؟

مگر ٹاھیا — سون کُل ہے چھُ بُرُ زوٗل — ووٹ کیا زہ باپآرِی
ونان —؟

تیلہ گو ومیا نہ سوچنہ موجوب ووٹ ڈوتی کُل ہٗ نہ ڈوتی کُلس برابر
آ — ہٗ نہ ڈوتی کُلس برابر —

نہ یژھ کتھ ہیکہ نہ یہ ماجہ وُنتھ نہ ٹاھِس —؟

تیکیا زہ نم دوشوے آسی کُلس گو ڈیران — تہ بمارہ خاطرہ
دوا پاشی کران — آین تہ گراین وچھان — اسندس پھلس پاران
اما — یہ کیاہ چھُس یہ لبکھان؟ — یہ چھُس لبکھان تی یہ
یہ چھُس۔

کم لمہ پھرنے دِتی نہ ہیے — گو ڈہ چھا یا تھ کم بڈ یتھ مُتسراتش
سُمب لہ آ تکُس یہ یہ تہ تنگ —؟

خر گُتنجے یہ — ٹم پیس تہ چھُ کو تام شونگ مُت —
یندوُک کرِچ کرِچ تہ چھُ گومُت نیند — ژونگ تہ چھُ
تیار ژھیتہ گژھ نس — دہ نو ما پیٹہ نیندہ زہ لاہ۔
کو سہ تام موجے چھ بجس — الا گو رکڑی کڑی نیندہ پاوان۔

ہوئی چھہ کو چھُ منز ہی دوہ دور کران — ہے کو نہ نندہ زول
یوان — ہے کو تاہ مشرف دلو چھُ — ہے ہیئر یوہ ڈاکٹرس
نندہ خاطرہ دواہ —
ہے — وُچھ میے اوس کیوں شوں نگن وقتس"
نہ کھرہ ہے بندہ کرچ کرچے نہ پہن یہ دیا پاہن ہترہ کتھے —
نہ شرین ہنز کتھ کے — نہ ہونین ہنز دوہ لوہ رائے۔
نہ پھیرہ ہا کانگرے — نہ لگہ ہا نارے — نہ موہ کلہ ہا ژاٹ انگس
تیلے —
کوہس گوب نندر پیٹیر ہا۔"
بہتر چھُ دواہ ینن کھیتھ — آ — خبر کا تیاہ پُلی چھہ کھیتی؟
یم آسن اکھ زہ فلی کھیتی — ہے کھیمہ —
مگر ہے اوس کیاہ نام لبکھن —
ہے کیاہ لبکھہ — ؟ ہے لبکھہ تی ہے چھُس ؟"
اکھ — زہ — تر ہے — آہا — دوہ فی پیٹیر میتے
گوب نندر — !

●

بکھر جاؤ
نغمہ بن کر
سرِ بازار تم . . . . .
کہ تو مسیحا ہے
اس صدی کا پیمبر ہے
شہرِ ظلمت کی
یہ روح فرسا چیخیں
سُن!
یہ جل بجھے چہرے
تک ——!

یہ بندشیں
یہ سخت زنجیریں . . . .
توڑ ——!
کہ تیرا بس یہی نہیں
کارواں دور ہے بہت دور ——
جس کی گرد چھو کر
میں لوٹا ہوں۔
میں سویا تھا
میں جاگا ہوں
خدارا —— تو بھی اُٹھ
جاگ۔
پھونک دے
ان چراغوں کو
کہ ان میں تیل نہیں
لہو تیرا ہے ——!

مشتاق احمد مشتاق

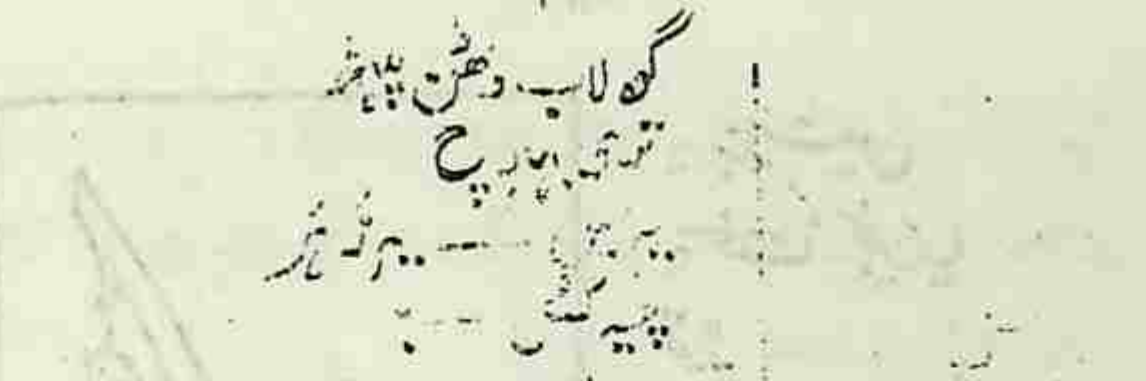

غلام نبی شاہد

ہر جام
میئے گزھہ اکھ دام
فقط اکھ دام
ہر چھس تشنہ
سو تیشنہ
سرِ راہ
وچھس بیٹھ تہ کیشہ لوٗ ناہ ہیٹھ
چاوان سارنے
خوش نہ کانہہ
شہر نالان
ہمس لکھ بیزار
ژھوہ پہ ژھوہ پہ ۔ کاہ ژاہ ژھوہ پیٹھ!
ہر گو و کجر
ہر گوہ وانر
اوٗن نہ کانہہ
سارے گاشدار !!

پاگل

مُشتاق احمد مُشتاق

مغرب کی ہوائیں تیز اور طوفانی تھیں۔

ان ہواؤں کا زور شدید تھا۔ پتے کانپ رہے تھے۔ درخت اکھڑ رہے تھے۔ مکانوں کے چھت اڑ رہے تھے۔۔۔۔۔ یکایک پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی کا پتھر ان ہواؤں کی زد میں آگیا۔ اپنی جگہ سے ہل گیا۔ پھر سنبھل نہ سکا۔ اور دوسرے ہی لمحے نیچے پستیوں کی جانب ڈھلتا چلا گیا۔ نیچے کوئی گہری کھائی نہ تھی بلکہ ایک بارونق شہر کی پختہ سڑک تھی۔ لڑھکتا ہوا اسی سڑک پر آپہنچا بے رنگ۔۔۔۔۔ بے جان۔۔۔۔ بے حس پتھر

یہ پتھر۔۔۔۔ راہ چلتے ان گنت انسانوں کے لیے ایک تماشا بن گیا۔ لاتعداد ٹھوکروں نے اس پتھر کے نوک دار حلیے کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا یہ پتھر ایک ہیبت ناک تصور بن گیا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر انسانوں کے جیسے دونگھڑے ہو جاتے۔ لیکن کوئی تاثر دیئے بغیر خاموشی سے آگے اپنی منزل کی سمت بڑھ جاتے۔ اس ایٹمی دور میں اتنی فرصت کہاں۔ کہ ان

بے جان پتھر دل پر غور کرے۔ کسی کا ہمدرد بنے پھرے ——

راہ چلتے ہوئے جب بھی یہ پتھر میرے چمکیلے بوٹ کی نوک سے ٹکراتا تو ایک لمحہ کے لئے میں سوچنے لگتا —— "یہ پتھر کیوں یہاں پڑا ہے۔ کیا محض .....؟" لیکن دوسرے ہی لمحے سوال ذہن کے تاریک گوشے میں ڈوب جاتا۔ کیوں کہ کھڑی چمنیوں کے منہ سے نکلتا ہوا بھیانک زہریلا دھواں مجھے اپنی جانب بلانے لگتا ہے۔ میں کسی ان دیکھی قوت کے زیر اثر سنگِ سیاہ کی عالیشان عمارت کی طرف بھاگتا ہوں۔ دوڑتا ہوں۔ آتا ہوں۔ جاتا ہوں شام کو وہاں سے لوٹ کر پتھر کو سڑک سے اٹھا کر فٹ پاتھ پر رکھ دیتا ہوں۔ کہ کسی اور راہی کے لئے مصیبت نہ بنے۔ کسی کے پیر، کسی کے قیمتی جوتے کو زخمی نہ کرے۔ لیکن اگلے دن اس پتھر کو پھر سڑک کے بیچوں بیچ پڑا پاتا ہوں۔ —— اب یہ عام سی بات ہو گئی ہے میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

لیکن .....

ایک دن جیسے ہی میرے سنگتراش دوست کی نظر اُس پتھر پر پڑی۔ وہ چونک سا اُٹھا۔ غور سے اُس پتھر کو دیکھنے لگا۔ جیسے وہ پتھر نہ ہو۔ کوئی ہیرا ہو۔ اگلے ہی لمحے سنگتراش کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ پتھر کے کسی خاص نقش سے متاثر ہوا تھا۔ پتھر کے حقیقی سنگتراش کی من ہی من میں تعریف کرتے ہوئے اُس نے کچھ فیصلہ کیا۔ اور پتھر کو اُٹھا کے گھر لے آیا۔ کچھ دن بعد جب میں نے سنگتراش دوست سے پوچھا ——

"تم اس بے جان پتھر کا کیا کرو گے ۔۔۔ ؟"

تو جواب میں سنگتراش نے خلیق کردہ خوبصورت مورتی ہنس پڑی۔
سنگتراش بھی مسکرایا۔ عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

وقت اور حالات کا ایک ہیبت ناک المیہ تھا۔ ایک ایسے ہی پتھر کا مدّت سے آرزو مند تھا۔ گلی گلی ..... شہر شہر ایسے ہی پتھر کی تلاش میں مارا مارا پھر چکا تھا۔

سنگتراش اور پتھر ..... خالق اور مخلوق ..... انسان اور شیطان ۔ شیطان انسان سے زیادہ عظیم ہے۔ کہ آج تک اپنی فطرت نہ بدلی اپنے مقصد اپنے موقف پر ڈٹا رہا ——

سنگتراش نے رات دن اس پتھر پر صرف کیا۔
اُسکی بھرپور محنت، لگن اور فنکارانہ انگلیوں نے بے جان پتھر پر ایک نیا اور اچھوتا نقش چڑھا دیا۔ پتھر میں جان سی آگئی۔ پتھر اب بولنے لگا تھا۔ چلنے لگا تھا۔ دوڑنے لگا تھا۔ قہقہے لگانے لگا تھا ....
.... اُس دن سنگتراش خوش تھا۔ کہ اُس کی زندگی کا ایک نامکمل خواب پورا ہو گیا تھا۔ اُسے اپنی عظمتوں کا نشہ ہوا تھا۔ اس شاہکار مجسمے کو منظر عام پر لاکر داد و تحسین سے داد حاصل کرتا تھا۔ وہ پتھر کو پھر اُسی سڑک پر لے آیا۔ جہاں سے اُٹھایا تھا۔ پتھر میں اب جان تھی۔ اپنے سیاہ سفید کا خود مالک تھا۔

سڑک پر لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ ان میں سنگتراش کے مداح بھی تھے۔ اور فن کے سودائی بھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک سوداگر سے سودا طے ہوا۔ سنگتراش نے نہ چاہتے ہوئے بھی پتھر کے اس حسین مجسمے کو سوداگر کے حوالے کر دیا۔ لیکن اچانک ایک ہی لمحہ میں سنگتراش کی دنیا جیسے گھوم گئی۔ وہ بے اختیار چونک اٹھا ـــــ کہ اس نے پتھر کے اچھوتے نقش پر اپنی نوخیز مورتی کو مچلتے ہوئے دیکھا۔ پتھر اس کی زندگی بھر کی تخلیق چرا کے لے آیا تھا۔ اسکی روح اپنے قبضے میں کر چکا تھا ـــــ

سنگتراش ایک فن کار تھا۔ فن کار احساس ہوتا ہے۔ روح کے سہارے ہی زندہ رہتا ہے۔ کوئی جب فنکار کی روح چھین لیتا ہے۔ تو فنکار کی آدمیت، انسانیت ایک ہی پل میں حیوانیت میں بدل جاتی ہے۔ سنگتراش بھی چیخنے لگا تھا۔ چلانے لگا تھا بے اختیار گالیاں بکنے لگا تھا۔ لوگ معاملے کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ حیرت سے اسے تکنے لگے۔ اتنے میں اسکی جان سے پیاری تخلیق ۔ ۔ ۔ ۔ مورتی! اسکے ہاتھوں سے بنا شاہکار مجسمہ ـــ پتھر ۔ ۔ ۔ !! دونوں یک زبان چلا اٹھے ـــــ "پاگل"

پاگل ـــــ پاگل ـــ پاگل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پتھر جیسے کائنات کا ذرہ ذرہ چیخ اٹھا ـــ لوگ ایک لمحہ کے لئے وحشت زدہ سے ہو گئے ـــ دوسرے لمحہ سنگتراش پر سنگ باری شروع ہو گئی ـــ

پاگل جو ٹھہرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

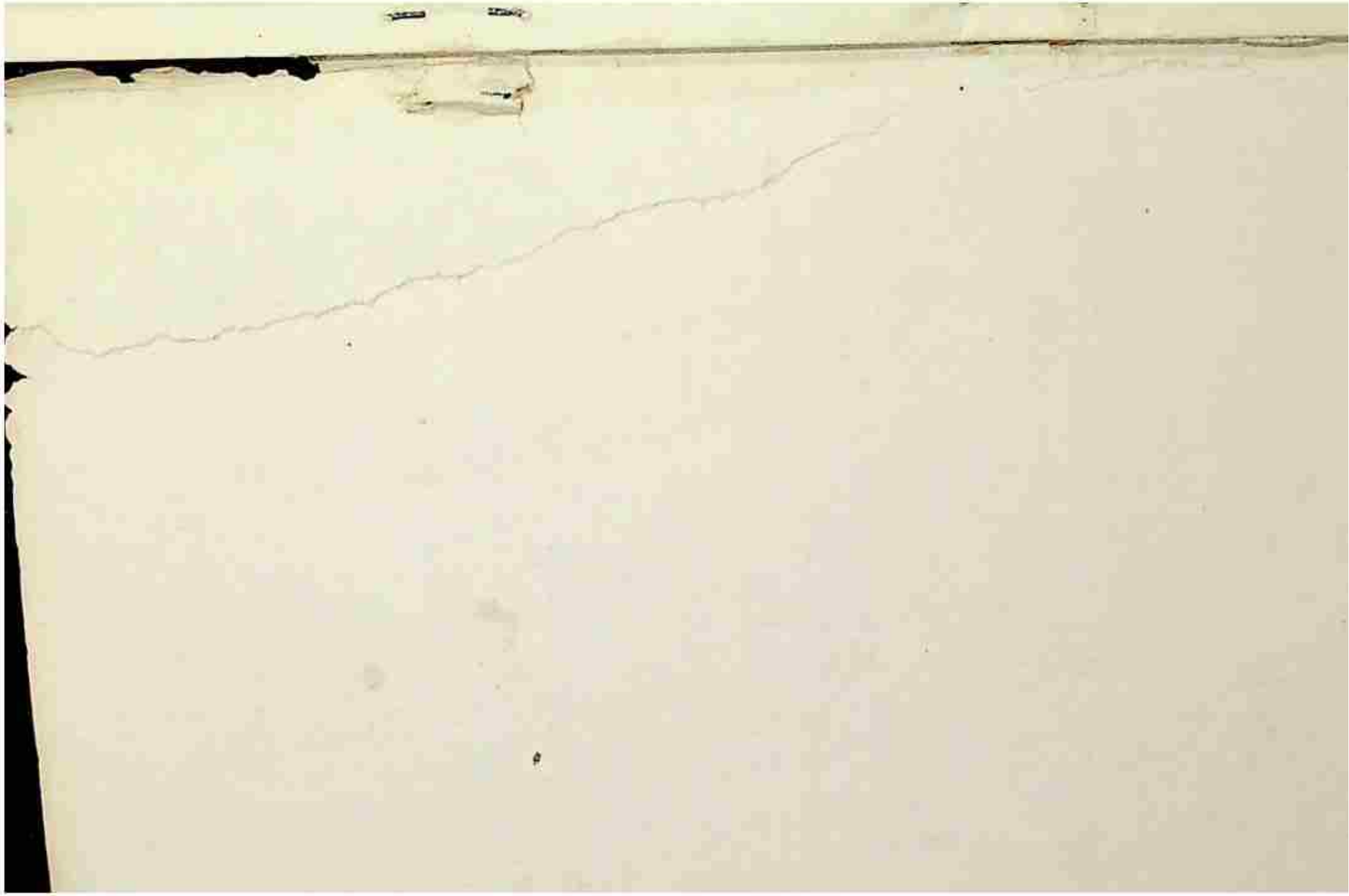

غلام نبی ساہد	مشتاق احمد مشتاق	سید یعقوب دلکش
تاج آرٹس خانیار سرینگر	سودہ ٹینگ رعناواری سرینگر	شیشگری محلہ خانیار سرینگر

دِل کا دُھواں

نوجوان افسانہ نگار مُشتاق احمد مشتاق کا پہلا ناول

جس میں اندھیری راتوں کی سسکتی چیخیں ہیں۔ کربناک قہقہے ہیں۔ سماج کی دُکھتی ڈوبتی سانسیں ہیں — ماں باپ۔ بہن اور شعلہ ریز جوانیوں کے بیچ بھٹکتے ہُوئے ایک حساس نوجوان کی تلخ و حسرتناک داستان۔

جدّت طرازیوں کے ساتھ بہت جلد منظرِ عام پر آرہا ہے۔